غاية المريد

في شرح

(بزبان اردو)

کتاب التوحید

تالیف

فضیلۃ الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

وزیر مذہبی امور سعودی عرب

غاية المريد

فی شرح

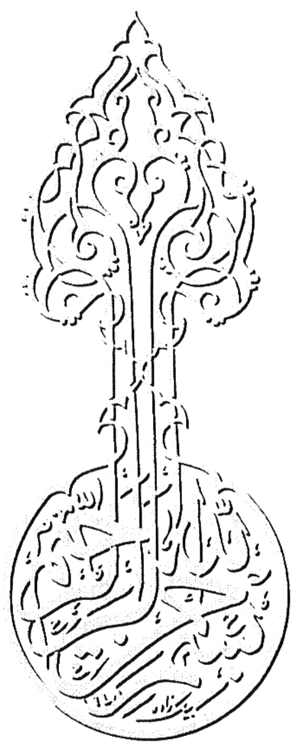
کتاب التوحید (اردو)

نام کتاب : غایۃ المرید فی شرح کتاب التوحید

مولف : شیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

صفحات : ٢٩٦

ناشر : دارالسلام



فہرست

کتاب التوحید

مقدمہ اور چند اہم اصطلاحات

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام میں توحید کے موضوع پر کتاب التوحید جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ یہ کتاب توحید کی طرف دعوت دینے والی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں توحید کا معنیٰ، دلائل توحید کے اصول اور فضیلت بیان کی ہے۔ مزید برآں توحید کے مخالف امور اور ان سے بچاؤ کے اسباب بھی بیان کئے ہیں نیز اختصار کے ساتھ توحید عبادت (الوہیت) اور توحید اسماء وصفات کے ارکان بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح شرک اکبر اور اس کی چند شکلیں، شرک اصغر اور اس کی چند شکلیں اور ہر ایک کے وسائل و ذرائع بھی بیان کئے ہیں۔ توحید کی حفاظت اور اس کے ذرائع، نیز توحید ربوبیت کی چند جزئیات کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔ چونکہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اس لئے حفظ و تدریس اور وسیع تامل تدبر کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں گے، اس کتاب کی ضرورت محسوس کریں گے۔

کتاب التوحید:

توحید سے مراد کسی چیز کو یکجا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا یعنی اکیلے اللہ تعالیٰ کو ہی معبود ماننا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں توحید کی درج ذیل تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

1. توحید ربوبیت 2. توحید الوہیت 3. توحید اسماء وصفات۔

توحید ربوبیت:

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں منفرد اور یکتا جاننا۔ اللہ تعالیٰ کے

بہت سے افعال ہیں، جن میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں۔

پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور موت دینا وغیرہ۔ پس ان چیزوں میں علی وجہ الکمال منفرد و یکتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

توحید الوہیت یا توحید الاھیت:

یہ دونوں الہ یالہ کے مصدر ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ وہ معبود جس کی تعظیم و محبت کے ساتھ عبادت کی جائے اور توحید الوہیت کا معنی یہ ہے کہ عبادت کے جملہ افعال کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا جائے۔

توحید اسماء صفات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء وصفات میں یکتا ہے اور ان میں اس کا کوئی مماثل نہیں۔

مصنف امام محمد رحمہ اللہ نے اس کتاب میں توحید کی مذکورہ بالا تینوں اقسام کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان اقسام کو سمجھنے کی اشد ضرورت ہے لیکن اس موضوع پر کتابیں بکثرت دستیاب نہیں۔ مصنف نے توحید الاھیت اور عبودیت اور اس کے ارکان مثلاً: توکل، خوف اور محبت کی وضاحت فرمائی ہے۔ نیز اس کے مقابل شرک کی بھی وضاحت کی ہے۔

ربوبیت یا عبادت یا اسماء وصفات میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے تو یہ شرک ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شرک کرنے سے روکنا اور اس کی توحید کا حکم دینا ہے۔

کتاب وسنت کی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک اعتبار سے شرک کی دو قسمیں ہیں:

شرک اکبر اور شرک اصغر۔ اور ایک دوسرے اعتبار سے اس کی تین اقسام ہیں۔

شرک اکبر' شرک اصغر اور شرک خفی۔

شرک اکبر: وہ ہے جس کا ارتکاب بندے کو دین سے خارج کر دیتا ہے اور شرک اکبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرنا یا عبادت میں سے کسی ایک چیز کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا یا عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کا شریک بنانا۔

شرک اصغر: وہ ہے جس پر شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے شرک کا حکم لگایا ہے تاہم اس میں کسی کو شرک کامل نہیں سمجھا جاتا جو اس کو شرک اکبر کے ساتھ ملحق کر دے۔ یاد رہے کہ شرک اکبر ظاہری بھی ہے مثلاً بتوں' قبروں اور مردوں کے پجاریوں کا شرک اور باطنی بھی' مثلاً منافقوں کا شرک یا پیروں فقیروں' مردوں اور معبودان باطلہ پر توکل کرنے والوں کا شرک۔ ان کا شرک مخفی ہے البتہ یہ باطن میں اکبر ہے گو کہ ظاہر میں نہیں۔

علاوہ ازیں کڑے' دھاگے اور تعویذ پہننا اور غیر اللہ کی قسم کھانا بھی شرک اصغر میں شامل ہے۔

شرک خفی: اس سے مراد معمولی قسم کی ریا اور اس طرح کی دیگر کمزوریاں ہیں۔

توحید تمام عبادات کی بنیاد ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاریات ٥١/ ٥٦)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری بندگی کریں"۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُوا۟ ٱلطَّٰغُوتَ ﴾ (النحل ١٦/ ٣٦)

"اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی بندگی سے بچو"۔ (2)

---

(1) میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسلاف نے اِلا لِیَعْبُدُوْن کی تفسیر اِلا لِیُوَحِّدُون کی ہے...... کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری توحید کا اقرار و اعلان کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام رسول توحید اور عبادت سمجھانے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔

عبادت کا لغوی اور شرعی مفہوم: عبادت کے مفہوم میں عاجزی اور حد درجہ انکسار پایا جاتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ محبت اور اطاعت بھی شامل ہو تو وہ شرعی عبادت بن جاتی ہے۔

شرعی طور پر کسی کی محبت، رحمت و شفقت کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر سے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا عبادت کہلاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کے ایسے تمام ظاہری اور باطنی اقوال و افعال جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہوں، ان تمام کو عبادت کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ کے لیے جائز ہے۔

(2) یہ آیت عبادت اور توحید کے مفہوم کی تفسیر ہے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ⬅

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی (اللہ) کی بندگی کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو"۔ (١)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُواْ بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔ (٢)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ تَعَالَوْاْ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُواْ بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (الأنعام٦/ ١٥١)

(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ (وہ) یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (٣)

تمام رسول ان دو باتوں کی تعلیم کے لیے مبعوث کیے گئے کہ لوگو! تم صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔ اس آیت کے پہلے جملہ "اُعْبُدُوا اللّٰہ" میں توحید کا اثبات اور اقرار، جبکہ "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ" میں شرک کی نفی اور انکار ہے۔

طاغوت: یہ فَعَلُوت کے وزن پر مصدر "الطغیان" سے مشتق ہے۔

ہر وہ معبود، متبوع یا مطاع چیز جسے انسان اس کی حد سے بڑھادے اسے "طاغوت" کہتے ہیں۔

(١) اس آیت میں فیصلے کے معنی امر اور وصیت ہیں یعنی اس نے تمہیں اس بات کا حکم دیا اور وصیت کی ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ" (کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا بھی بالکل یہی مفہوم ہے۔ یہ آیت توحید کے مفہوم کو پوری طرح واضح کر رہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا اور کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ" کو اچھی طرح سمجھ کر اختیار کرنا ہی اصل توحید ہے۔

(٢) یہ آیت شرک کی تمام انواع سے باز رہنے پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ شرک اکبر ہو، اصغر ہو یا خفی۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی فرشتہ، نبی، صالح شخصیت، پتھر، درخت یا جن وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی قطعاً اجازت نہیں کیونکہ یہ سب چیزیں ہیں۔

(٣) آیت مبارکہ میں "اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا" سے پہلے "وَصَّاكُمْ" محذوف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص محمد ﷺ کی سربمہر (بند کر کے مہر لگائی ہوئی) وصیت ملاحظہ کرنا چاہتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لے:

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٥١-١٥٣، جامع الترمذي، التفسير، تفسير سورة الأنعام، ح: ٣٠٧٠)

"(اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ وہ یہ کہ:

① تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔
② اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔
③ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو' کیونکہ تمہیں بھی اور ان کو بھی رزق ہم ہی دیتے ہیں۔
④ بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ' تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی یعنی حکم دیا ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ یہاں وصیت سے شرعی وصیت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شرعی وصیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ امر واجب اور ضروری ہے۔ یہ آیت بھی سابقہ آیات کی طرح توحید کے مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

⑤ اور جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے قتل نہ کرو مگر حق اور جائز طریقے سے۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

⑥ اور تم یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو انتہائی بہترین اور پسندیدہ ہو' یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے۔

⑦ اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پورا کرو' ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتے۔

⑧ اور جب بات کرو تو انصاف کی کہو خواہ وہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا ہو (یعنی کسی ایک کی طرف جھکاؤ سے کام نہ لو)

⑨ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

⑩ اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو۔ اسے چھوڑ کر دوسری راہوں پر مت چلو' وہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور کر دیں گی۔ اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی وصیت (ہدایت) کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"۔ [1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ فَقَالَ لِي: يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ، وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ

---

[1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی وصیت لکھ کر اس پر اپنی مہر ثبت فرمائی جسے آپ کی وفات اور ملاء اعلیٰ کی طرف انتقال فرمانے کے بعد کھولا گیا تو آپ کی وصیت یہی آیات ہوں گی جن میں یہ دس وصیتیں ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان آیات کی عظمت اور رفعت شان پر دلالت کرتی ہے جن کا آغاز شرک کی ممانعت سے ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ توحید کا اثبات اور شرک کی ممانعت تمام امور پر مقدم اور اہم ترین ہے۔

وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلاَ يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لاَ يُعَذِّبَ مَنْ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلاَ أُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: لاَ تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوا»(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب اسم الفرس والحمار، ح:٢٨٥٦، ٥٩٦٧، ٦٢٦٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، ح:٣٠)

"ایک دفعہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: "اے معاذ (رضی اللہ عنہ!) کیا تم جانتے ہو اللہ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت (بندگی) کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' اور بندوں کا اللہ کے ذمہ یہ حق ہے کہ جو بندہ شرک کا مرتکب نہ ہو وہ اسے عذاب نہ دے۔" (معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! (اجازت ہو تو) لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں (اور عمل کرنا چھوڑ دیں)" [1]

---

[1] صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا' اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو بندوں پر واجب ہے' کیونکہ کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ تمام رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حق کو بیان اور خوب واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق میں سے یہ حق بندوں پر سب سے زیادہ واجب ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ذمہ بندوں کا یہ حق ہے کہ جو بندہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو وہ اسے عذاب نہ دے۔"

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حق اپنے اوپر از خود واجب کیا ہے ورنہ کوئی ہستی یا شخصیت ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو واجب کر سکے۔

اللہ تعالیٰ از روئے حکمت جس چیز کو چاہے اپنے اوپر واجب یا حرام کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے۔

«إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي»

کہ میں (اللہ تعالیٰ) نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔" یعنی میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

مسائل

(۱) جن وانس کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کارفرما ہے۔

(۲) دراصل عبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ جملہ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان یہی بات متنازعہ تھی۔

(۳) جو شخص توحید پر کاربند نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) کی ہی نہیں۔ "سورۃ الکافرون" کی آیت:

﴿ وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ﴿٣﴾ ﴾ (الکافرون۱۰۹/ ۳)

(اور جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں) کا بھی یہی مفہوم ہے۔

(۴) بعثت انبیاء ورسل کی حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر امت کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے گئے۔

(۶) تمام انبیاء کا دین یعنی ان کی دعوت کا محور اور مرکزی نقطہ صرف توحید تھا۔

(۷) اس سے یہ ایک اہم مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ طاغوت کا کفر اور اس کا انکار کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت (بندگی) ممکن ہی نہیں۔

﴿ فَمَن يَكْفُرْ بِٱلطَّـٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۵۶)

کا یہی مفہوم ہے۔

(۸) "طاغوت" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے۔

(۹) یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے نزدیک سورۃ الانعام کی مذکورہ تین محکم آیات کی کس قدر اہمیت اور عظمت تھی۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دس احکام اور ہدایات دی گئی ہیں۔ ان میں سب سے اولین ہدایت "شرک سے ممانعت" کی ہے۔

(۱۰) سورۂ بنی اسرائیل (الاسراء) کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان ہوئے ہیں جن کا

آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے:

﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا ﴿٢٢﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٢)

"کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ورنہ ذلیل اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہو گے"۔

یعنی ان مسائل میں سب سے پہلے توحید کا بیان ہے اور سب سے آخر میں بھی توحید ہی کا ذکر ہے۔

﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ فَتُلْقَىٰ فِى جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٩)

"اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بنالینا ورنہ تو ملامت زدہ اور راندۂ درگاہ ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان مسائل کی اہمیت پر تنبیہ کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ مِمَّآ أَوْحَىٰٓ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ ٱلْحِكْمَةِ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٩)

یہ دانائی کی ان باتوں میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔

(١١) سورۃ النساء کی وہ آیت جو حقوقِ عشرہ والی آیت کہلاتی ہے، اس میں اللہ نے فرمایا:

﴿ ۞ وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔

(١٢) اس میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے جو آپ نے وفات کے وقت فرمائی تھی۔

(١٣) بندوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟

(١٤) جب بندے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ پر ان کا کیا حق ہے؟

(١٥) حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ اس (حدیث معاذ رضی اللہ عنہ) میں مذکور مسئلہ کا بہت سے صحابہ کو علم نہ تھا۔

(١٦) کسی مصلحت کے پیش نظر کتمان علم (علم کو مخفی رکھنا) جائز ہے۔

(۱۷) کسی مسلمان کو خوش خبری دینا جائز ہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کر کے ترک عمل جائز نہیں۔

(۱۹) یہ بھی معلوم ہوا کہ جس سے کوئی بات پوچھی جائے اور وہ نہ جانتا ہو تو یوں کہہ دینا چاہئے "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمَ" کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔"

(۲۰) کسی کو علم سکھانا اور کسی کو محروم رکھنا جائز ہے۔

(۲۱) آپ ﷺ از حد متواضع تھے کہ آپ جلیل القدر ہونے کے باوجود گدھے پر نہ صرف سوار ہوئے بلکہ دوسرے آدمی کو بھی اپنے ہمراہ سوار کر لیا۔

(۲۲) سواری پر اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کر لینا جائز ہے۔

(۲۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے۔

(۲۴) مسئلہ توحید کی اہمیت اور عظمت پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔

باب : ۱

توحید کی فضیلت اور اس سے گناہوں کے مٹنے کا بیان ①

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمْ يَلْبِسُوٓاْ إِيمَـٰنَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَـٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٢)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا' ان ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں''۔ ②

---

① یعنی جو بندہ توحید کے اقرار و اعتراف میں جس قدر پختہ ہو وہ اسی قدر جنت میں داخل ہونے کا حق دار ہوتا ہے۔ اس کے اعمال خواہ کیسے ہی ہوں۔ اسی لیے امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے سورۃ الانعام کی مندرجہ بالا آیت بیان کی ہے۔

② **ظلم کا معنی:** اس آیت میں ''ظلم'' سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت کو اپنے لیے عظیم (بوجھ اور مشکل) سمجھا تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اس کا وہ مفہوم نہیں جو تم سمجھتے ہو بلکہ یہاں ''ظلم'' سے مراد ''شرک'' ہے۔ کیا تم نے اللہ کے نیک بندے (حضرت لقمان) کا یہ قول نہیں سنا:

﴿ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٣)

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم یعنی گناہ ہے''۔

(صحیح بخاری' التفسیر' باب لا تشرک باللّٰہ ان الشرک...... حدیث:۴۷۷۶)

لہٰذا اس باب کی مناسبت سے آیت کا ترجمہ یوں ہوا کہ:

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا ان ہی کے لیے مکمل امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں۔''

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ شَهِدَ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيْسٰى عَبْدُاللهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالٰى ﴿يٰأهل الكتاب لا تغلوا في دينكم﴾ ح:٣٤٣٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل علٰى أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، ح:٢٨)

"جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ:

- اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔
- اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔
- اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا، اور وہ اسی کی طرف سے بھیجی ہوئی روح ہیں۔
- اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم (بھی) برحق ہے۔

تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہرحال) جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔" [1]

اور صحیحین ہی میں عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ

◄ پس جو شخص ایمان لایا یعنی اس نے توحید اختیار کی اور اس نے اپنے ایمان کو ظلم سے یعنی عقیدۂ توحید کو شرک سے آلودہ نہیں کیا اس کے لیے مکمل امن اور مکمل ہدایت ہے۔ لہٰذا بندہ جس قدر ظلم یعنی شرک کا مرتکب ہو کر توحید میں نقص پیدا کرلے گا، اس سے اسی قدر امن اور ہدایت مفقود ہو جائے گی۔

[1] یعنی وہ شخص عملی طور پر کتنا ہی کم تر کیوں نہ ہو اور اس کے نامۂ اعمال میں کتنے ہی گناہ کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے بالآخر جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ یہ اہل توحید کے لیے توحید کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے۔

اللّٰہِ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب المساجد في البيوت، ح:٤٢٥، الرقاق، باب العمل الذي يبتغي به وجه الله، ح:٦٤٢٣ وصحيح مسلم، المساجد، الرخصة في التخلف عن الجماعة لعذر، ح:٢٦٣/٣٣)

"جو شخص محض رضائے الٰہی کی نیت سے "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰہ" کا اقرار کرے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔" [1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلاَمُ: يَارَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ وَأَدْعُوكَ بِهِ، قَالَ: قُلْ يَامُوْسٰى! لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، قَالَ: كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُونَ هٰذَا، قَالَ: يَامُوْسٰى! لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالأَرَضِينَ السَّبْعَ فِي كِفَّةٍ، وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ فِي كِفَّةٍ، مَالَتْ بِهِنَّ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٢٣٢٤ والمستدرك للحاكم: ٥٢٨/١ ومسند أبي يعلى الموصلي، ح:١٣٩٣)

"موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کیا کروں اور تجھے پکارا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰہ" پڑھا کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کلمہ تو تیرے سب بندے پڑھتے اور کہتے ہیں۔ (مجھے کوئی خصوصی وظیفہ بتایا جائے) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کی مخلوق بجز میرے اور

---

[1] یہی جملہ "لا الہ الا اللہ" کلمۂ توحید ہے۔ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے زبان سے ادا کرنے اور اس کا دلی طور پر اقرار کرنے والا شخص جب اس کی شرائط اور لوازمات کو صحیح طور پر بجالائے تو اللہ تعالیٰ حسب وعدہ اس بندے پر جہنم کو حرام کر دیتا ہے۔ یہ اس کا بہت بڑا فضل ہے۔ البتہ جو شخص توحید کا اقرار کرے اور شرک سے بچ کر رہے مگر بتقاضائے بشریت اس سے بعض گناہ بھی سرزد ہو گئے ہوں اور وہ توبہ کیے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو گناہوں کی پاداش میں عذاب دینے کے بعد اسے جہنم سے رہائی دے یا معاف کر دے اور اس پر ابتدا ہی سے جہنم کو حرام کر دے۔

ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" دوسرے پلڑے میں ہو تو یہ کلمہ ان سب سے وزنی ہو گا"۔ (امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے) [1]

جامع ترمذی میں حسن سند کے ساتھ، انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

«قَالَ اللهُ تَعَالٰی: يَا ابْنَ آدَمَ! لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لاَ تُشْرِكُ بِي شَيْئًا، لأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً»(جامع الترمذي، الدعوات، باب ياابن آدم إنك ما دعوتني، ح: ٣٥٤٠)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ کر کے آئے، پھر تو اس حال میں مجھ سے ملے کہ تو میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اسی قدر مغفرت و بخشش لے کر تیرے پاس آؤں گا۔"

مسائل

① ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے۔

② اللہ تعالیٰ کے ہاں توحید کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

---

[1] وجہ استدلال: اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بالفرض کسی بندے کے گناہ سات آسمانوں، سات زمینوں اور ان کے درمیان موجود تمام انسانوں اور فرشتوں کے وزن سے بھی بڑھ کر ہوں تو کلمۂ توحید (لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) کا پلڑا ان تمام گناہوں سے زیادہ وزنی اور بوجھل ہو گا۔ وہ حدیث جس میں (لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) والے پرزہ کا گناہوں کے طویل و عریض دفاتر سے زیادہ ہونے کا تذکرہ ہے اور پیش نظر باب میں مذکور حدیث انس رضی اللہ عنہ بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ کلمۂ توحید کی یہ عظیم فضیلت اسی کے لیے ہے جس کے دل میں یہ کلمہ خوب راسخ ہو چکا ہو اور وہ خلوص دل سے اس کا اقرار اور اعتراف بھی کرتا ہو، اس کلمے کے تقاضوں کو اچھی طرح جاننے، سمجھنے، اور ان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ ان کا دلی طور پر اعتقاد بھی رکھتا ہو، اور اسے اس کے تقاضوں سے ایسی دلی محبت بھی ہو کہ اس کا حقیقی اثر اور اس کا نور اس کے قلب پر خوب اثر انداز بھی ہو۔ پس جس شخص کا کلمۂ توحید اس معیار کا ہو گا تو اس کی برکت سے اس کے تمام گناہ "جل" (مٹ) جائیں گے۔

(۳) توحید کا عقیدہ ثواب کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔

(۴) سورۃ الانعام کی آیت ۸۲ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ اس میں "ظلم" سے مراد "شرک" ہے۔

(۵) حدیث عبادہ میں جو پانچ امور مذکور ہیں ان پر غور کیا جائے کہ ان میں سرفہرست شرک نہ کرنا ہے۔

(۶) حدیث عبادہ، حدیث عتبان اور اس کے بعد والی مذکورہ احادیث کو جمع کیا جائے تو کلمۂ توحید (لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه) کا مفہوم مزید نکھر کر سامنے آتا ہے۔ اور جو لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں کہ محض زبان سے کلمۂ توحید کا اقرار نجات کے لیے کافی ہے، ان کی غلطی بھی واضح ہوتی ہے۔

(۷) حدیث عتبان میں مذکورہ شرط بھی قابل توجہ ہے کہ کلمہ گو نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کلمہ پڑھا ہو۔

(۸) انبیاء کرام بھی اس کلمہ کی اہمیت و فضیلت کو جاننے کے محتاج تھے۔

(۹) یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه تمام آسمانوں اور زمینوں سے وزنی ہے اس کے باوجود بہت سے کلمہ گو لوگوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔

(۱۰) یہ بھی صراحت ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔

(۱۱) آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق آباد ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں جبکہ فرقہ اشاعرہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۳) حدیث انس پر غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ حدیث عتبان "جو شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر کلمہ "لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم حرام کر دیتا ہے" سے مراد شرک کو کلیۃً چھوڑ دینا ہے۔ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا نجات کے لیے کافی نہیں۔

(۱۴) جناب محمد ﷺ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام دونوں اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

(۱۵) ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہونے کی بنا پر اس کا کلمہ ہے تاہم یہاں خصوصی طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ کہا گیا ہے۔

(۱۶) عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصی طور پر اللہ کی روح کہا گیا ہے۔

(۱۷) ان احادیث سے جنت اور جہنم پر ایمان لانے کی اہمیت اور فضیلت بھی معلوم ہوئی۔

(۱۸) اس تفصیل سے حدیث عبادہ میں "عَلٰی مَاکَانَ مِنَ الْعَمَلِ" (خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں) کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے کہ جنت میں جانے کے لیے صاحب توحید یعنی موحد ہونا شرط ہے۔

(۱۹) روز قیامت اعمال کا وزن کرنے کے لیے جو ترازو رکھی جائے گی اس کے بھی دو پلڑے ہوں گے۔

(۲۰) حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے "وَجْهٌ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی "چہرہ" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس صفت (چہرہ) پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ البتہ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْئٌ" (اس جیسی کوئی چیز نہیں۔) کی رو سے ہم اس کی کیفیت سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

باب : ۲

توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا شخص بلا حساب جنت میں جائے گا[۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ ﴾

(النحل١٦/ ١٢٠)

"بے شک ابراہیم (علیہ السلام) لوگوں کے پیشوا' اللہ کے تابع فرماں اور یک سو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے"۔[۲]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥٩)

---

[۱] گزشتہ باب میں توحید کی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ یہ باب اس سے بھی رفیع اور بلند تر ہے کیونکہ توحید کی فضیلت میں تو تمام اہل توحید مشترک ہیں۔ لیکن اس امت میں سے برگزیدہ لوگ وہی ہیں جنہوں نے توحید کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہی اس باب کا مقصود ہے۔

[۲] اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔

وجہ استدلال: اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی متعدد صفات بیان کی ہیں۔

(الف) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "امت" قرار دیا ہے۔ جب کسی اکیلے فرد کو "امت" کہا جائے تو اس سے ایسا امام اور قائد مراد ہوتا ہے جو تمام انسانی اوصاف و کمالات اور جملہ اوصاف حسنہ کا حامل ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی ایسا اچھا وصف نہیں جو ابراہیم علیہ السلام میں نہ تھا۔ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے کا بھی یہی مفہوم ہے۔

(ب) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو "قَانِتًا لله" یعنی اپنا تابع فرماں قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دائمی عبادت گزار اور عقیدۂ توحید کے ایک ایک تقاضے پر پوری ⬅

"(اور اہل ایمان وہ ہیں) جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہراتے۔"[1]

حصین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے کہا: تم میں سے کسی نے رات کو ٹوٹتا ہوا تارا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں' میں نے دیکھا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس وقت نماز میں مشغول نہ تھا' بلکہ مجھے کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا تھا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے پوچھا تو پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے بتایا کہ میں نے دم کر لیا تھا۔ انہوں نے پھر دریافت کیا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا کہ ہمیں شعبی نے ایک

طرح کاربند تھے۔

(ج) نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک وصف "حنیف" بھی بیان کیا ہے۔ یعنی وہ مشرکین کے غلط عقائد و نظریات اور ان کے طور اطوار سے مکمل طور پر گریزاں اور اللہ تعالیٰ کی طرف یک سو تھے کیونکہ مشرکین کے نظریات' شرک و بدعت اور معصیت سے لبریز تھے اور ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف انابت' توجہ اور استغفار نام کو بھی نہ تھے۔

(د) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے یعنی وہ کسی بھی قسم کا شرک نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس سے دور رہتے تھے اور ان کا مشرکین سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مصنف (الشیخ محمد بن عبدالوہاب) کے ذہن میں مذکورہ تمام معانی موجود تھے' اس لیے انہوں نے پیش نظر باب میں اس آیت کا ذکر کیا ہے۔

[1] اس آیت میں بھی شرک کی نفی اور انکار ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب فعل مضارع پر حرف نفی آئے تو اس سے اس فعل کے مصدر کی عمومی نفی مراد ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے ساتھ شرک اکبر کرتے ہیں نہ شرک اصغر اور نہ شرک خفی۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کرتے۔ جو شخص شرک نہ کرے وہ موحد ہوتا ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں اس آیت میں "بِرَبِّهِمْ" کی تقدیم اس لیے ہے کہ ربوبیت عبودیت کو متلزم ہے اور انہی لوگوں کی صفت ہے جنہوں نے توحید کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ شرک نہ کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو بھی اللہ کا شریک نہ بنائے کیونکہ جو شخص خواہشات نفس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتا ہے وہ بدعات پر عمل کرنے لگتا ہے' یا کم از کم معصیت کا مرتکب ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا شرک کی نفی سے شرک کی تمام اقسام نیز بدعت اور معصیت کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے تقاضے پورے کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

حدیث بیان کی ہے' اس کی بنا پر میں نے دم کر لیا۔ انھوں نے پھر پوچھا: شعبی نے تمھیں کون سی حدیث سنائی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ انھوں نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے:

«لاَ رُقْيَةَ إِلاَّ مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(مسند أحمد: ١/ ٢٧١)

''نظربد اور کسی زہریلی چیز کے ڈسنے کے سوا کسی اور صورت میں دم (جائز) نہیں۔''

یہ سن کر سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے جو سنا اور پھر اس پر عمل کیا' اس نے بہت ہی اچھا کیا البتہ ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی ہے' آپ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الأُمَمُ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلاَنِ، وَالنَّبِيَّ وَلَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، إِذْ رُفِعَ لِي سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ أُمَّتِي، فَقِيلَ لِي: هٰذَا مُوسٰى وَقَوْمُهُ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ عَظِيمٌ، فَقِيلَ لِي: هٰذِهِ أُمَّتُكَ، وَمَعَهُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّلاَ عَذَابٍ، ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ فَخَاضَ النَّاسُ فِي أُولٰئِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ صَحِبُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِينَ وُلِدُوا فِي الإِسْلاَمِ فَلَمْ يُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَذَكَرُوا أَشْيَاءَ، فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ: هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ وَلاَ يَكْتَوُونَ وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ: اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: أَنْتَ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: اُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره وفضل من لم يكتو، ح: ٥٧٠٥، ٥٧٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة، ح: ٢٢٠، واللفظ له)

"میرے سامنے بہت سی امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں۔ اور میں نے ایک نبی ایسا بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک بھی امتی نہ تھا' اسی اثناء میں میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت نمودار ہوئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ میری امت ہے۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ پھر میں نے ایک اور بہت بڑی جماعت دیکھی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے۔ ان میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ اتنا فرمانے کے بعد نبی کریم ﷺ اٹھ کر گھر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان خوش نصیب ستر ہزار افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بعض نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اور بعض نے کہا شاید یہ وہ لوگ ہوں جو عہد اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے کچھ باتیں کیں۔ اتنے میں رسول اکرم ﷺ تشریف لے آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو اپنی گفتگو اور آراء سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جو دم کراتے ہیں نہ علاج کی غرض سے اپنے جسم کو داغتے ہیں اور نہ فال نکالتے ہیں بلکہ وہ صرف اپنے پروردگار ہی پر توکل کرتے ہیں۔" یہ سن کر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول (ﷺ)! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے بنائے۔ آپ نے فرمایا "تو ان میں سے ہے۔" اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ اس نے بھی درخواست کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنائے۔ آپ نے فرمایا "اس دعا میں عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔"" [1]

---

[1] پیش نظر حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ موحدین اسباب سے انکاری ہیں یا وہ اسباب کو بالکل اختیار نہیں کرتے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کیا کہ توحید کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کوئی ذریعہ یا سبب اختیار ہی نہ کرے اور بیمار ہونے کی صورت میں کوئی دوا بھی استعمال نہ کرے۔ یہ مفہوم سراسر غلط ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو بھی دم کیا گیا' اور آپ خود بھی دم کیا کرتے تھے' آپ نے خود بھی علاج معالجہ کیا اور امت کو علاج معالجہ اور دوا استعمال کرنے کی اجازت دی۔ نیز آپ نے ایک صحابی کو زخم داغنے کا بھی حکم دیا تھا۔

مسائل

① توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔
② توحید کے تقاضے پورے کرنے کا مفہوم بھی واضح ہوا۔
③ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مدح میں فرمایا: ”وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔“
④ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اولیاء کرام کی بھی مدح فرمائی ہے کہ وہ شرک سے بے زار ہوتے ہیں۔
⑤ دم اور جسم داغنے کے طریق علاج کو ترک کرنا' توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔
⑥ ان اوصاف کا احاطہ کرنا ہی درحقیقت توکل ہے۔
⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی گہرائی اور ان کی حقیقت پسندی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بلا حساب جنت میں جانے والوں کو یہ بلند مقام اور مرتبہ محض عمل کی بدولت حاصل ہو گا۔
⑧ یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر اور نیکی کے کاموں پر کس قدر حریص تھے۔
⑨ امت محمدیہ درجات کی بلندی اور کثرت تعداد کے لحاظ سے تمام امتوں سے افضل اور برتر ہے۔
⑩ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کی فضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے۔

لہٰذا اس حدیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ بغیر حساب جنت میں جانے والے لوگ اسباب اختیار نہیں کرتے یا وہ علاج معالجہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس حدیث میں ان تین امور (دم کرانے' داغنے اور فال نکالنے) کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر انسان کا دل دم کرنے والے یا داغنے والے کی طرف یا فال نکالنے کی طرف متوجہ رہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ پر توکل میں کمی آجاتی ہے۔ واضح رہے کہ علاج معالجہ کرنا مشروع ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں' یہ کبھی تو واجب ہوتا ہے اور کبھی محض مستحب اور بسا اوقات علاج معالجہ کرنا مباح ہی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«تَدَاوَوْا عِبَادَ اللهِ وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»

”اللہ کے بندو! علاج معالجہ کیا کرو البتہ حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال نہ کرو۔“

(۱۱) نبی کریم ﷺ کے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں۔
(۱۲) ہر امت کو اپنے نبی کے ساتھ الگ اٹھایا جائے گا۔
(۱۳) انبیاء کی دعوت کو بالعموم بہت تھوڑے لوگوں نے قبول کیا۔
(۱۴) جس نبی پر ایک بھی شخص ایمان نہ لایا وہ قیامت کے دن اکیلا ہی آئے گا۔
(۱۵) کثرت تعداد پر مغرور اور قلت تعداد پر پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ قلت یا کثرت معیار حق نہیں۔
(۱۶) نظر بد اور زہریلی چیز کے ڈسنے سے دم کرنا جائز ہے۔
(۱۷) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے قول ((قَدْ اَحْسَنَ مَنِ انْتَهٰى اِلٰى مَا سَمِعَ)) (جس نے اپنی شنید کے مطابق عمل کیا اس نے اچھا کیا) سے سلف صالحین کے علم کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی حدیث دوسری حدیث کے خلاف نہیں۔
(۱۸) سلف صالحین' بے جا تعریف و ستائش سے پرہیز کیا کرتے تھے۔
(۱۹) رسول اللہ ﷺ نے عکاشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اَنْتَ مِنْهُمْ" "کہ تو ان میں سے ہے۔" آپ کا یہ قول آپ کے صدق اور نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔
(۲۰) عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔
(۲۱) بوقت ضرورت تصریح کی بجائے اشارہ و کنایہ میں گفتگو کرنا جائز ہے۔ آپ نے عکاشہ کے بعد دوسرے آدمی سے صاف نہیں فرمایا کہ تو ان میں سے نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ "تم پر عکاشہ سبقت لے گیا۔"
(۲۲) عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد دعا کی درخواست کرنے والے دوسرے آدمی کو بڑے احسن انداز کے ساتھ بٹھا دینے اور خاموش کرا دینے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی اعلیٰ اور احسن اخلاق کے مالک تھے۔

باب : ۳

شرک سے ڈرنے کا بیان [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ ﴾

(النساء ٤/ ٤٨)

''بے شک اللہ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جسے چاہے معاف کردے گا۔'' [2]

---

[1] موحدین' توحید کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ شرک سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو آدمی شرک سے ڈرتا ہو وہ اس کے مفہوم اور اس کی اقسام کو پہچان کر اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تاکہ وہ چھوٹے یا بڑے کسی قسم کے شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔

[2] بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں شرک اکبر' شرک اصغر اور شرک خفی یعنی تمام اقسام شرک کی نفی کی گئی ہے۔ شرک کوئی سا بھی ہو' اللہ تعالیٰ اسے توبہ کے بغیر معاف نہیں کرے گا۔

اس لیے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس مخلوق کا خالق' رازق' سب کچھ عطا فرمانے والا اور ہر قسم کے انعام سے نوازنے والا ہے تو انسان کا دل اس کی طرف سے اعراض کرکے غیروں کی طرف کیوں توجہ کرے؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ' ابن قیم' امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ اور اکثر علماء دعوت توحید کا یہی موقف ہے۔ چونکہ شرک اپنی تمام اقسام سمیت ناقابل معافی ہے اس لیے اس سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔

ریاکاری' غیراللہ کی قسم اٹھانا' گلے میں کوئی چیز بطور تعویذ ڈالنا' چھلے پہننا' دھاگے باندھنا یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غیراللہ کی طرف منسوب کرنا یہ تمام امور شرک ہونے کی بنا پر ناقابل معافی ہیں۔ لہٰذا ان تمام کاموں سے اور بالخصوص شرک اکبر سے ڈرتے اور بچ کر رہنا چاہیے۔ اور چونکہ شرک انسان کے دل ⟵

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَٱجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ ٱلْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (إبراهيم١٤/ ٣٥)

"اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا"۔ (1)

حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الأَصْغَرُ، فَسُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ: الرِّيَاءُ»(مسند أحمد: ٥/ ٤٢٨، ٤٢٩ ومجمع الزوائد: ١/ ١٠٢ ومعجم الكبير للطبراني، ح: ٤٣٠١ بزيادة إِنَّ في أوله)

"مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر "شرک اصغر" کا ہے۔ پوچھا گیا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: دکھلاوا (ریاکاری)۔" (2)

← میں پیدا ہوتا ہے اس لیے انسان کو چاہئے کہ وہ شرک کی تمام انواع و اقسام سے خوب واقفیت رکھے تاکہ شرک میں ملوث ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے وہ آیت بیان کی ہے جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے۔

(1) جو لوگ عقیدہ توحید اور اس کی نزاکت کو خوب سمجھتے ہیں وہ شرک اور اس کے اسباب و ذرائع سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اصنام: صنم کی جمع ہے۔ اللہ کے سوا جس کی عبادت اور پوجا کی جارہی ہو اس کی تصویر اور مجسّے کو صنم کہتے ہیں، خواہ اس کی شکل کسی انسان کے چہرے جیسی ہو یا کسی حیوان کے جسم یا سر، یا سورج اور چاند جیسی۔

وثن: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس چیز کی عبادت کی جائے وہ وثن ہے، خواہ کسی تصویر یا مجسّے کی شکل میں ہو جیسے صنم یا تصویر کی شکل میں نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہو جیسے قبر وغیرہ۔

(2) نبی کریم (ﷺ) کو سب سے زیادہ خوف اور ڈر، ریا سے کیوں تھا؟ اس کے برے اثر اور نتیجے کی بناء پر کہ یہ ناقابل معافی گناہ ہے اور اس لیے بھی کہ اس سے اکثر لوگ غافل رہتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ کو اپنی امت کے متعلق اس گناہ کا زیادہ اندیشہ تھا۔

ریاء کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ایک تو منافق کی ریا اور دکھلاوا ہے جس کا تعلق اصل دین کے ساتھ ہے یعنی وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے اسلام کا اظہار کرتا ہے جبکہ باطن میں کفر چھپائے ہوتا ہے۔ ←

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُوْنِ اللهِ نِـدًّا دَخَلَ النَّارَ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى ﴿ومن الناس من يتخذ من دون الله أندادا﴾ ح: ٤٤٩٧)

"جس آدمی کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر پکارتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔" (1)

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

"یہ (منافقین) لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں"۔

(ب) دوسری، مسلمان موحد کی ریاء ہے۔ جیسا کہ کوئی لوگوں کو دکھانے یا ان میں شہرت حاصل کرنے کے لیے خوب بنا سنوار کر نماز ادا کرے اور یہ شرک اصغر ہے۔

(1) کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اور پھر اسے پکارنا "شرک اکبر" ہے۔ کیونکہ دعا یعنی پکارنا محض ایک عام سی عبادت نہیں بلکہ عظیم ترین عبادت ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے "اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" "دعا یعنی پکارنا ہی اصل عبادت ہے۔"

اگر کوئی اس حال میں مرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتا اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا تھا تو وہ جہنم کا حق دار ہوگا اور وہ کافروں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ کیونکہ شرک اکبر کا ارتکاب جب مسلمان سے ہو تو اس کے تمام اعمال برباد اور نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٥)

"(اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے (نیک) اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔"

علماء تفسیر اور محققین اہل علم کے نزدیک لفظ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" میں دونوں طرح کے شخص شامل ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے اور دوسرا وہ جو محض غیر اللہ کو پکارتا اور مستقل طور پر اسی کی طرف توجہ اور میلان رکھتا ہے۔

«مَنْ لَقِيَ اللهَ لاَ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَهُ يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة وأن من مات مشركًا دخل النار، ح:٩٣)

”جو کوئی اس حال میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے (یعنی فوت ہو) کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا اور جو اس حال میں اس سے جا ملے (یعنی فوت ہو) کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔“ [1]

مسائل

(۱) انسان کو ہر وقت شرک سے ڈرتے اور بچ کر رہنا چاہیے۔
(۲) ریاکاری بھی شرک کی ایک قسم ہے۔
(۳) ریاکاری ”شرک اصغر“ ہے۔
(۴) نیک لوگوں پر باقی گناہوں کی نسبت ”ریاکاری“ کا اندیشہ زیادہ ہے۔
(۵) جنت اور جہنم (انسان کے) قریب ہیں۔

---

[1] یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی فرشتے، نبی، کسی صالح شخصیت یا جن وغیرہ کی طرف رجوع نہ کرے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور ضمانت ہے کہ وہ اسے اپنی رحمت اور فضل سے جنت میں داخل فرمائے گا اور جو شخص کسی بھی قسم کے شرک کا مرتکب ہو، شرک اکبر ہو یا اصغر یا شرک خفی، وہ جہنم میں جائے گا۔
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرک کو جہنم میں ہمیشہ کے لیے بھیجا جائے گا یا عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لیے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق شرک کی نوعیت سے ہے۔ جو شخص شرک اکبر کا مرتکب ہو اور وہ توبہ کیے بغیر مر جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا اور اسے کبھی بھی جہنم سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور اگر شرک اکبر نہ ہو بلکہ شرک اصغر یا شرک خفی ہو تو ایسے شخص کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا وہ جہنم میں رہے گا۔ بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے جہنم سے رہائی مل جائے گی کیونکہ ایسا شخص بنیادی طور پر موحد ہے۔

(۶) اس ایک ہی حدیث میں جنت اور جہنم کے قریب ہونے کا اکٹھے ذکر کیا گیا ہے۔

(۷) شرک نہ کرنے والا آدمی جنت میں ضرور جائے گا اور جسے شرک کی حالت میں موت آئی وہ جنت میں نہیں جا سکتا بلکہ وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ وہ بہت بڑا عابد اور زاہد ہی کیوں نہ ہو۔

(۸) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے بتوں کی عبادت سے محفوظ رہنے کی دعا کی۔ ہمیں بھی شرک سے بچنے کی دعا کرنی چاہیے۔

(۹) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے "رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ" (سورۂ ابراہیم۔ آیت ۳۶) "اے میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔" کہہ کر اکثریت کی حالت سے عبرت حاصل کی اور دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا۔

(۱۰) امام بخاری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان احادیث سے کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی تفسیر بھی ہو رہی ہے۔

(۱۱) شرک سے محفوظ رہنے والوں کی فضیلت اور شرک کرنے والوں کی ہلاکت ثابت ہوتی ہے۔

باب : ۴

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی طرف دعوت دینا ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/۱۰۸)

"(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیں کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا راستہ تو یہ ہے کہ ہم سب پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے اور میرا مشرکین سے کچھ واسطہ نہیں"۔ ②

---

① شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) نے یہ باب اس بات کو ثابت کرنے کے لیے قائم کیا ہے کہ توحید کی تکمیل اور شرک سے بچنے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دوسروں کو توحید کی دعوت دی جائے۔ اللہ کی توحید کی گواہی کا بھی یہی مطلب ہے۔ کیونکہ کسی بات کا دل میں اعتقاد رکھنا' زبان سے اس کا اقرار کرنا اور اس سے دوسروں کو مطلع کرنا یہ سب امور گواہی میں شامل ہوتے ہیں۔ توحید کی طرف دعوت دینے سے مقصود' اس کی تمام تفصیلات اور اقسام کی طرف بلانا' سمجھانا اور شرک کی توضیح کر کے اس کی تمام انواع سے باز رہنے کی دعوت دینا ہے اور یہ ایک انتہائی اہم کام ہے۔ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے یہ سب باتیں اپنی اس کتاب میں بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کی ہیں۔

② اس آیت سے دو باتیں ہمارے علم میں آتی ہیں:

(الف) توحید کی طرف لوگوں کو بلانا اور انہیں اس کی دعوت دینا۔

(ب) اخلاص سے آگاہ کرنا اور اس کی تنبیہ کرنا'

کیونکہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ اگرچہ بظاہر حق کی دعوت دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہوتے ہیں۔ توحید کی طرف علیٰ وجہ البصیرت دعوت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ⟸

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ شَهَادَةُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ - وَفِي رِوَايَةٍ: إِلٰى أَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ - فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوكَ لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب لا تؤخذ كرائم أموال الناس في الصدقة، ح:١٤٥٨، ١٤٩٦، ٢٤٤٨، ٤٣٤٧، ٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

"تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو۔ تم انہیں سب سے پہلے اس بات کی گواہی کی طرف دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم انہیں سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لیں۔ اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن

◄ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بے علمی، بے یقینی اور جہالت کی بنیاد پر نہیں بلکہ علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر دعوت دے۔

"اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی" کا مفہوم یہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف علی وجہ البصیرت یعنی علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر دعوت دیتا ہوں۔ اسی طرح میری پیروی کرنے والے اور میری دعوت پر لبیک کہنے والے افراد بھی علم، یقین اور مکمل معرفت کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

انبیاء کرام کے متبعین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ نہ صرف خود شرک سے ڈرتے، توحید کی حقیقت کو جانتے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کو بھی اس چیز کی طرف بلاتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور یہ توحید کا ایک اہم تقاضا ہے۔

اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو اصحاب ثروت سے وصول کر کے فقراء اور غرباء میں تقسیم کی جائے گی۔ پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان جائیں تو ان کے عمدہ اور قیمتی اموال لینے سے احتیاط کرنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔"[1]

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ، يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ، فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا، فَلَمَّا أَصْبَحُوا غَدَوْا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، كُلُّهُمْ يَرْجُو أَنْ يُعْطَاهَا، فَقَالَ: أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟ فَقِيلَ: هُوَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ، فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ فَأُتِيَ بِهِ، فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ، فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ، فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ، فَقَالَ: انْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ تَعَالَى فِيهِ، فَوَاللهِ لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ح:٣٧٠١ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب علي بن أبي طالب رضي الله عنه ح:٢٤٠٦)

"کل میں یہ پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ

---

[1] وجہ استدلال: اس حدیث میں وجہ استدلال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو آپ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ لوگوں کو سب سے پہلے اس بات کی گواہی کی طرف دعوت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں۔ اس کی مزید وضاحت صحیح بخاری "کتاب التوحید" کی ایک روایت میں یوں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا "تم سب سے پہلے لوگوں کو دعوت دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کریں۔" (صحیح بخاری، التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی.....، حدیث: ۷۳۷۲)

سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بھی اس سے محبت رکھتے ہیں' اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رات بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جا سکتا ہے۔ صبح ہوئی تو تمام صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کی یہی خواہش اور امید تھی کہ پرچم اسے ہی ملے گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کی تو آنکھیں دکھتی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوا بھیجا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور دعا فرمائی۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ مکمل طور پر یوں شفایاب ہو گئے گویا انہیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی۔ آپ نے پرچم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھما دیا اور فرمایا تیاری کر کے ابھی روانہ ہو جاؤ اور سیدھے ان کے میدان میں جا اترو۔ پھر سب سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق' اسلام میں' ان پر عائد ہوتے ہیں' وہ انہیں بتلانا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری بدولت ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو (یہ سعادت) تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر (انتہائی قیمتی) ہے۔"[1]

---

[1] **وجہ استدلال:** اس حدیث میں وجہ استدلال یہ جملہ ہے "ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ" کہ اس کے بعد تم انہیں اسلام کی دعوت دینا۔

اسلام کی دعوت سے توحید کی دعوت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور جناب محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار و اعتراف اسلام کا اہم اور عظیم ترین رکن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ انہیں توحید کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ بھی بتلانا' خواہ ان حقوق کا تعلق توحید کے ساتھ ہو یا فرائض و واجبات اور محرمات سے اجتناب کے ساتھ۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اسلام کی دعوت دے تو سب سے پہلے اسے توحید کی دعوت دے اور "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا معنی و مفہوم بیان کرے پھر اس کے بعد اسے محرمات اور فرائض و واجبات سے بھی آگاہ کرے کیونکہ اساسی چیز سب سے مقدم اور سب سے پہلے واجب ہوتی ہے۔

مسائل

① رسول اکرم ﷺ کے متبعین کا انداز تبلیغ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔
② اخلاص نیت کی بھی ترغیب ہے کیونکہ اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ "دعوت الی الحق" لے کر اٹھیں بھی تو اس میں مخلص نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگوں کو بالعموم اپنی ذات کی طرف بلاتے ہیں۔
③ دعوت کے کاموں میں بصیرت سے کام لینا ضروری ہے۔
④ توحید کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب اور نقص سے پاک تسلیم کیا جائے۔
⑤ شرک کی ایک قباحت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں گالی ہے۔
⑥ اس باب کا ایک اہم ترین مسئلہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو مشرکین سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرک نہ کرنے کے باوجود ان کے ساتھ میل جول کی بنا پر ان کا ساتھی بن جائے۔
⑦ واجبات دین میں توحید اولین واجب مسئلہ ہے۔
⑧ نماز اور دیگر احکام دین سے پہلے توحید کی تبلیغ کی جائے۔
⑨ رسول اللہ ﷺ کے فرمان "اَنْ یُّوَحِّدُوا اللّٰہَ" اور کلمہ "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی شہادت دونوں کا ایک ہی معنی و مفہوم ہے۔
⑩ کچھ لوگ اہل کتاب ہونے کے باوجود عقیدۂ توحید سے کما حقہ باخبر نہیں ہوتے یا جاننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے۔
⑪ یہ آگاہی بھی ہوئی کہ دین کی تعلیم تدریجاً دینی چاہئے۔
⑫ مراحل تبلیغ میں اہمیت کے مطابق مسائل بیان کئے جائیں۔
⑬ زکوٰۃ کے مصرف کا بھی بیان ہے۔

(۱۴) معلم کا فرض ہے کہ وہ متعلم کے شبہات کو بھی دور کرے۔
(۱۵) زکوٰۃ وصول کرتے وقت عمدہ اور قیمتی مال لینا منع ہے۔
(۱۶) مظلوم کی بد دعا سے بچنا چاہیے۔
(۱۷) مظلوم کی آہ و بد دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔
(۱۸) سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام پر مشقتوں، بھوک اور تکالیف کا گزرنا بھی توحید کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔
(۱۹) رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ "میں کل یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔" آپ کی علامات نبوت میں سے ہے۔
(۲۰) نبی ﷺ کا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب ڈالنا اور ان کا فوراً صحت یاب ہو جانا بھی آپ کی علامات نبوت میں سے ہے۔
(۲۱) علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔
(۲۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور فضیلت بھی واضح ہے کہ وہ ساری رات یہ سوچتے رہے کہ صبح یہ پرچم کس خوش نصیب کو ملنے والا ہے۔ اور اس سوچ میں وہ فتح کی بشارت بھول گئے۔ (گویا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خصوصی محبت کا اعزاز فتح کی بشارت سے زیادہ عزیز تھا۔)
(۲۳) "ایمان بالقدر" بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرچم ایسے آدمی کو ملا جس نے اس کے حصول کی خواہش یا کوشش نہیں کی بلکہ کوشش کرنے والے اور خواہش رکھنے والے اسے حاصل نہ کر سکے۔
(۲۴) رسول اللہ ﷺ کا علی رضی اللہ عنہ سے فرمانا "عَلٰی رِسْلِكَ" (کہ سیدھے جاؤ)، اس میں آداب جنگ کی تعلیم ہے۔
(۲۵) جنگ سے پیشتر کفار کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔
(۲۶) لوگوں سے اولین خطاب ہو یا قبل ازیں جنگ ہو چکی ہو یا دعوت دی جا چکی ہو، ہر

صورت میں جنگ سے قبل اسلام کی دعوت دینا مشروع ہے۔

(۲۷) رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق عائد ہیں وہ انہیں بتلانا' اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت حکمت اور دانائی کے ساتھ پیش کرنی چاہیے۔

(۲۸) ایک مسلمان کو اسلام میں مقرر کردہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے روشناس ہونا چاہیے تاکہ وہ دوسروں کو بھی تعلیم دے سکے۔

(۲۹) معلوم ہوا کہ جس کسی کے ہاتھوں ایک بھی آدمی ہدایت پا جائے اس کے لیے بڑا ثواب اور بڑی عظمت ہے۔

(۳۰) فتویٰ پر قسم اٹھانا جائز ہے۔

باب : ۵

توحید کی تفسیر اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت کا مفہوم [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ يَبۡتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلۡوَسِيلَةَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ وَيَرۡجُونَ رَحۡمَتَهُۥ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُۥٓۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُورٗا ﴿٥٧﴾ ﴾

(الإسراء۱۷/ ۵۷)

---

[1] کسی بات کی گواہی کا مفہوم یہ ہے کہ:

(الف) انسان اپنی زبان سے جو کچھ کہے دلی طور پر اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہو۔ اعتقاد اسی صورت میں اعتقاد ہوتا ہے جب کہ اس کا علم اور اس کی سچائی کا یقین ہو۔

(ب) گواہی کو زبان سے ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

(ج) اس بات سے دوسروں کو مطلع کرنا بھی گواہی کا حصہ ہے اور زبان سے اس کا نطق (بولنا) بھی واجب ہے۔ گواہ بھی اس وقت تک گواہ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ متعلقہ بات سے دوسروں کو مطلع نہ کرے۔ تو معلوم ہوا کہ اَشْهَدُ (میں گواہی دیتا ہوں) کا معنیٰ اَعْتَقِدُ (میں اعتقاد رکھتا ہوں)، اَتَكَلَّمُ (میں زبان سے اس کا اقرار کرتا ہوں) اور اُخْبِرُ (میں اس سے دوسروں کو مطلع اور خبردار کرتا ہوں) ہوگا۔ اور ان تین معانی کا بیک وقت جمع ہونا لازمی اور حتمی ہے۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" میں لا نفی جنس کے لیے ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی شخص یا چیز الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ نفی کے بعد "اِلا" (حرف استثناء) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقی الٰہ اور معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

"اِلٰہ" معبود: بعض لوگ لا نفی جنس کی خبر "مَوْجُودٌ" بتاتے ہیں۔ ایسی صورت میں معنی یوں ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود موجود نہیں۔" مگر یہ معنی اور مفہوم صحیح نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ←

"یہ لوگ، جنہیں وہ (مشرکین) پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وسیلہ (ذریعہ) ڈھونڈتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہے۔ اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"[1]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الزخرف ٤٣/ ٢٦ـ٢٨)

"اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے (صاف صاف) کہہ دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں، میں ان سے بے زار ہوں۔ ہاں (میں صرف اسے مانتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور وہ یہی بات (دعوت) اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ بھی

◄ علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت ہوتی ہے جو کہ موجود ہیں۔ لہٰذا لا نفی جنس کی خبر "مَوْجُوْدٌ" کی بجائے "بِحَقٍّ یا "حقٌّ" ہونی چاہئے۔ اس صورت میں معنی یوں ہو گا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود "برحق" نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ معبود ہی ہے اگرچہ اسے معبود سمجھنا یا بنانا باطل، ظلم، سرکشی اور ناجائز ہے۔ عربی زبان سے واقف آدمی کلمہ "لَآ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ" سنتے ہی یہی مفہوم اخذ کرے گا۔

[1] اس آیت میں "یَدْعُوْنَ" کا معنی "یَعْبُدُوْنَ" ہے۔

وسیلہ: قصد اور حاجت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ: یہ لوگ اپنی حاجات اور ضروریات کو اللہ تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ یہ مقصود اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہ لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کی توجہ محض اللہ تعالیٰ پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موقع کی مناسبت سے "اِلٰی رَبِّهِمْ" کہہ کر ربوبیت کا ذکر کیا ہے کیونکہ دعا کو قبول کرنا اور اس کا صلہ دینا ربوبیت کا خاصہ ہے۔

یوں اس آیت سے توحید کی تفسیر واضح ہوئی کہ تمام حاجات و ضروریات صرف اور صرف اللہ ◄

اللہ ہی کی طرف رجوع کریں۔"①

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾

(التوبة۹/ ۳۱)

"ان (عیسائی) لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو رب بنالیا۔"②

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ (البقرہ۲/ ۱۶۵)

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیروں کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"③

عزوجل سے پوری ہوتی ہیں۔ ﴿ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُونَ عَذَابَهٗ ﴾ "وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔" یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا وصف ہے جو محبت' خوف اور امید کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں۔ یہ بھی توحید ہی کی تفسیر ہے۔

① اس آیت مبارکہ میں نفی اور اثبات دونوں موجود ہیں۔ ان دونوں سے توحید ثابت ہوتی ہے۔ پس "لاَ اِلٰہ۔۔۔۔۔" کی جگہ ﴿ اِنَّنِیْ بَرَاۗءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْن "اور "اِلاَّ اللّٰہ۔۔۔" کی جگہ "اِلاَّ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ" ہے۔

براءت: کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان سے بغض و عداوت رکھتے ہوئے ان کا (انکار) کرنا۔ جب تک دل میں یہ چیز نہ ہو اسلام راسخ اور پختہ نہیں ہو سکتا۔

② **ارباب:** رب کی جمع ہے: یہاں ربوبیت' عبادت کے معنی میں ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ان (عیسائی) لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے علماء اور بزرگوں کو بھی اس حد تک اپنا معبود بنالیا کہ وہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کہہ دیتے تو وہ لوگ اسی طرح مان لیتے۔ کسی کی بات کو تسلیم کرنا بھی توحید سے تعلق رکھتا ہے اور غیر اللہ کی غیر مشروط اطاعت' توحید کے منافی ہے۔

③ یعنی ان لوگوں نے معبودان باطلہ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر کر دیا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ان معبودوں کے ساتھ بھی اسی طرح کی شدید محبت رکھتے ہیں جن پر انہیں ناز ہے اور محبت میں یہ مساوات اور برابری کرنا شرک ہے۔ ان لوگوں کی

نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله. . . ، ح: ٢٣)

"جس شخص نے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کا اقرار کر لیا اور معبودان باطلہ کا انکار اور کفر کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا۔ اب اس کا باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔" (1)

آئندہ آنے والے ابواب اسی عنوان "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کی شہادت کا مطلب شرح اور وضاحت پیش کرتے ہیں (2)

اسی محبت نے انہیں جہنم میں پہنچا دیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں جہنمیوں کا یہ قول بیان فرمایا ہے:

﴿ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٩٨﴾ ﴾ (الشعراء ٢٦/ ٩٧۔٩٨)

"اللہ کی قسم! ہم تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دے کر صریح گمراہی میں تھے۔"

محبت بھی عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جنہوں نے غیر اللہ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی سی محبت روا (مباح) رکھی تو گویا انہوں نے اپنے محبوبین کو اللہ تعالیٰ کے شریک بنا ڈالا۔ توحید اور کلمہ "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کی گواہی دینے کا یہی مفہوم ہے کہ جیسا تعلق اور محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو، ویسا مضبوط تعلق اور شدید محبت کسی دوسرے کے ساتھ قطعاً نہ ہو۔

(1) اس حدیث میں کلمۂ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کے اقرار کے علاوہ معبودان باطلہ کا کفر کرنے کی بات بھی بیان ہوئی ہے۔ گویا کلمۂ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کے اقرار و اعتراف میں معبودان باطلہ کا کفر، انکار اور ان سے اظہار براءت بھی شامل ہے۔

"**حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ**" کا معنی یہ ہے کہ جس نے کلمۂ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کا اقرار و اعتراف اور معبودان باطلہ کا انکار و کفر کیا وہ مسلمان ہو جاتا ہے جس کا مال اور خون صرف تین صورتوں (زنا، قتل اور ارتداد) ہی میں روا (جائز) ہے۔

اس تفصیل سے یہ خوب عیاں ہو چکا کہ توحید کی تفسیر اور کلمہ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ" کی گواہی، آپ سے بہت زیادہ توجہ، غور و فکر اور سوچ بچار کا تقاضا کرتی ہے تاکہ آپ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔

(2) گویا ساری کتاب، توحید اور کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کی تشریح و توضیح ہے اور ان امور کا تفصیلی

مسائل

① اس میں سب سے اہم مسئلہ، توحید اور کلمہ "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کی گواہی دینے کی تفسیر ہے جسے متعدد آیات و احادیث سے واضح کیا گیا ہے۔

② ان میں سے ایک، سورۂ الاسراء (بنی اسرائیل) کی آیت ۵۷ ہے جس میں ان مشرکین کی تردید ہے جو صالحین اور بزرگان کو پکارتے ہیں، اس آیت میں صاف صاف بیان ہے کہ یہی شرک اکبر ہے۔

③ اس باب میں دلائل توحید بیان کرتے ہوئے ایک دلیل سورۂ البراءۃ (التوبہ) کی آیت ۳۱ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے علماء اور بزرگوں کو بھی رب بنا رکھا تھا حالانکہ انہیں صرف اور صرف ایک الٰہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس آیت کی وہ تفسیر جس میں کوئی اشکال یا ابہام نہیں، یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے علماء اور بزرگوں کو مصیبت یا مشکل کے وقت پکارتے نہیں تھے بلکہ معصیت کے کاموں میں ان کی اطاعت کرتے تھے۔ (اور اسی کو معبود اور رب بنانا کہا گیا ہے)

④ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا بھی تذکرہ ہے جو انہوں نے کفار سے کہی تھی:

﴿ إِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝٢٦ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى ﴾ (الزخرف ۴۳/ ۲۶۔۲۷)

"میں تمہارے معبودوں سے بے زار اور لاتعلق ہوں۔ میرا تعلق صرف اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔"

یوں ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے معبودان باطلہ سے اپنے حقیقی رب کو مستثنیٰ کیا۔ اللہ

◄ بیان ہے جو اس کے متضاد اور توحید کی اصل اور کمال کے منافی ہیں۔

نیز اس میں شرک اکبر، شرک اصغر، شرک خفی اور شرکیہ الفاظ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ توحید کے لوازمات یعنی توحید فی العبادت، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اقرار اور توحید الوہیت میں توحید ربوبیت کا اقرار شامل ہونے کا مفصل بیان ہے۔

تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار سے اس طرح کی براءت و بے زاری اور اللہ تعالیٰ کی موالات و محبت کا اظہار ہی کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کی گواہی دینا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُونَ ﴿٢٨﴾﴾ (الزخرف۴۳/ ۲۸)

"اور ابراہیم علیہ السلام یہی پیغام اپنے پیچھے اپنی اولاد اور قوم کو دے گئے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔"

⑤ نیز ایک دلیل' سورۂ بقرہ کی وہ آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا:

﴿ وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ ﴿١٦٧﴾﴾ (البقرہ۲/ ۱۶۷)

"وہ جہنم کی آگ سے نکلنے والے نہیں۔"

اور ان کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے بنائے معبودوں' اللہ کے شریکوں سے یوں محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ نیز واضح فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی شدید محبت رکھتے ہیں لیکن ان کی یہ محبت انہیں اسلام میں داخل نہیں کر سکی۔ ذرا غور کریں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتھ ساتھ غیراللہ سے محبت کرنے والے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شریکوں سے محبت کرنے والوں یا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف غیراللہ سے محبت کرنے والوں کا کیا حال ہو گا؟

⑥ اور ایک دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذی شان بھی ہے کہ "جس آدمی نے کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کا اقرار اور معبودان باطلہ کا انکار کیا اس کا مال اور خون (جان) محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب یعنی باقی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔" یہ فرمان مبارک ان عظیم دلائل میں سے ایک ہے جو کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه" کے معنی و مفہوم کو صحیح طور پر واضح کرتے ہیں کہ محض اس کلمہ کو زبان سے ادا کر لینے اور اس کے معنی کی معرفت حاصل کر لینے' اقرار کر لینے اور اکیلے اللہ کو بغیر شریک ٹھہرائے پکار لینے سے مال و جان کو تحفظ نہیں مل جاتا بلکہ مال و جان کو تحفظ اسی وقت ہی مل سکتا ہے جب اس کے ساتھ ساتھ معبودان باطلہ کا انکار بھی کیا جائے۔ یاد رہے کہ اگر

کسی نے ان باتوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرا سا شک یا توقف کیا تو اس کی جان اور مال کو تحفظ و امان حاصل نہ ہو سکے گا۔ غور کریں یہ مسئلہ کس قدر اہم، عظیم اور کس قدر واضح ہے اور مخالفین کے خلاف کتنی بڑی قاطع دلیل ہے۔

باب : ٦

رفع بلاء اور دفع مصائب کے لیے چھلے پہننا اور دھاگے وغیرہ باندھنا شرک ہے۔ (1)

---

(1) شرک کی توضیح کرتے ہوئے یہاں سے توحید کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی چیز کی معرفت اور پہچان دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ اپنی حقیقت کی معرفت اور اس کی ضد کی معرفت۔

یہاں سے امام (محمد بن عبدالوہاب) اپنی گفتگو کا آغاز' توحید کے متضاد یعنی شرک اکبر کے بیان سے کر رہے ہیں۔ کیونکہ شرک اکبر کے ارتکاب سے توحید مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے یکسر خارج ہو جاتا ہے۔ شرک کی بعض اقسام ایسی ہیں جو توحید کے اعلیٰ درجہ کے منافی ہیں اور وہ اقسام شرک اصغر کے قبیل سے ہیں۔ ان کے ارتکاب سے توحید کے اعلیٰ درجہ میں کمی آ جاتی ہے۔ اس لیے توحید کا اعلیٰ ترین درجہ تو یہ ہے کہ انسان شرک کی جملہ انواع واقسام سے بچ کر رہے۔

شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) نے شرک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابتدا میں شرک اصغر کی بعض ایسی اقسام کا ذکر کیا ہے جو لوگوں سے عام طور پر سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ نیز انہوں نے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اولاً شرک اصغر کا اور بعد ازاں شرک اکبر کا ذکر کیا ہے۔

اس باب کے عنوان سے واضح ہوا کہ چھلے پہننے اور دھاگے باندھنے کے علاوہ منکے' تعویذات' لوہا' چاندی وغیرہ اور دیگر مختلف اشیاء جو گلے میں باندھی یا لٹکائی جاتی ہیں یا گھروں میں' گاڑیوں پر یا چھوٹے بچوں کے گلے میں کسی مخصوص مقصد' نظریہ یا عقیدہ کے تحت پہنی' باندھی یا لٹکائی جاتی ہیں' یہ سب شرک ہے۔

چھلے اور دھاگے اور اسی طرح تعویذات وغیرہ کی بابت عربوں کا عقیدہ تھا کہ یہ اشیاء آئی ہوئی مصیبت کو رفع کر دیتی یا آنے والی مصیبت کو روک دیتی ہیں۔ ایسی حقیر اشیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو روک سکتی ہیں' یہ شرک اصغر کیسے ہو سکتا ہے؟ (بلکہ یہ تو شرک اکبر ہے۔) کیونکہ ⟵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلۡ أَفَرَءَيۡتُم مَّا تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ إِنۡ أَرَادَنِيَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كَٰشِفَٰتُ ضُرِّهِۦٓ أَوۡ أَرَادَنِي بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكَٰتُ رَحۡمَتِهِۦۚ قُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُۖ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ ٱلۡمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۳۸)

"(اے محمد ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اللہ کے علاوہ تم جن کو پکارتے ہو کیا وہ اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اسکی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے: مجھے تو اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔"[1]

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

◄ ایسا کرنے والے کے دل میں ان اشیاء کی محبت موجود ہوتی ہے اور وہ ان اشیاء کو مصائب روکنے اور ان سے بچانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہی شرک ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ صرف انہی اشیاء اور اسباب کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا جائز ہے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے یا تجربہ سے ثابت ہو کہ یہ اسباب واقعی ظاہری طور پر مؤثر ہیں۔ مثلاً طبیب کا دوا دینا' یا جیسے وہ اسباب' جن سے نفع حاصل ہوتا ہے جیسے آگ سے حرارت اور پانی سے ٹھنڈک کا حاصل ہونا وغیرہ۔ یہ ایسے اسباب ہیں جن کی تاثیر ظاہر اور واضح ہے۔

شرک اصغر کی جملہ اقسام بعض اوقات نیتوں کی بنیاد پر شرک اکبر بن جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص چھلے اور دھاگے وغیرہ کو سبب سمجھنے کی بجائے یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بذات خود مؤثر ہے تو اس کا یہ عمل شرک اکبر ہو گا کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی چیز تصرف کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ گویا اس مسئلے کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے۔

[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا اس بات کا اقرار کرلینے کے باوجود کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے' تم اس کے ساتھ ساتھ غیراللہ کی بھی عبادت کرتے ہو؟ قرآن مجید کا یہی انداز ہے کہ مشرکین جس توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں' وہ ان کے اسی اقرار کو ان کے خلاف پیش کر کے اس توحید الوہیت کا اثبات کرتا ہے جس سے وہ انکار کرتے ہیں۔

"تَدْعُوْنَ" تم پکارتے ہو۔ یہ پکارنا بطور سوال اور طلب ہو یا محض بطور عبادت۔ مشرکین میں غیراللہ کو پکارنے کی یہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ جنہیں پکارا جاتا ہے ان کی کئی قسمیں ہیں مثلاً بعض مشرک تو مصیبت' دکھ یا پریشانی کے موقع پر بعض انبیاء' رسل اور صالحین کو پکارتے ہیں' بعض ◄

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلاً فِي يَدِهِ حَلْقَةٌ مِّنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هٰذِهِ؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ، فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لاَ تَزِيدُكَ إِلاَّ وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»(مسند أحمد: ٤/ ٤٤٥ وسنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، ح: ٣٥٣١)

"نبی ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلا دیکھا تو پوچھا: "یہ کیا ہے؟" اس نے کہا یہ واھنہ (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اسے اتار دو۔ (اس لیے کہ یہ تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا) تمہاری بیماری میں مزید اضافہ ہی کرے گا۔ اگر تمہیں یہ چھلا پہنے ہوئے موت آگئی تو کبھی نجات نہ پاسکو گے۔ ①

◄ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو پکار کے لائق سمجھتے ہیں اور بعض ستاروں کی طرف، بعض اشجار و احجار کی طرف اور بعض بتوں اور مٹی کی ڈھیریوں کی طرف لپکتے اور جھکتے ہیں۔ یہ سب شرک کی صورتیں ہیں۔ پیش نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام معبودان باطلہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اب ان اشیاء اور شخصیات کے متعلق مشرکین کا یہ عقیدہ، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بلند مراتب ہیں جن کی وجہ سے یہ اس کے ہاں سفارش کر سکیں گے، باطل اور بے بنیاد ہوا۔ قرآن مجید میں جو آیات شرک اکبر کی تردید میں آئی ہیں، اہل علم انہی آیات کو شرک اصغر کے ابطال اور تردید میں بھی پیش کرتے ہیں کیونکہ دونوں قسم کے شرک (اکبر اور اصغر) میں انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیراللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے۔ لہٰذا جب بڑی صورت (شرک اکبر) میں غیراللہ کے ساتھ تعلق جوڑنا باطل اور بے حقیقت ہے تو چھوٹی صورت (شرک اصغر) میں تو بالاولیٰ باطل ہوا۔

نیز اس آیت میں یہ بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ کسی کو کچھ ضرر یا نقصان پہنچا سکے۔ اسی طرح یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی شخص یا چیز اس ضرر کو ہٹانے پر قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ، کسی کو نفع دینے یا ضرر پہنچانے کے لائق سمجھنے کا یہی وہ مفہوم ہے جس کے پیش نظر مشرک لوگ چھلے پہنتے یا دھاگے باندھتے ہیں، اسی لیے ان کاموں کو شرک کہا گیا ہے۔

① آپ کا مَاهٰذِهِ؟ کہہ کر اس چھلے کے متعلق دریافت کرنے کا یہ انداز اس کے اس عمل پر شدید ناراضی، ناپسندیدگی، اور انکار کے لیے تھا۔

واھنہ: ایک بیماری ہے جو جسم کو کمزور کر ڈالتی ہے۔

(امام ابن الاثیر الجزری فرماتے ہیں کہ "واھنہ" ایک ایسی بیماری ہے جس سے کندھے یا پورے بازو ◄

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللهُ لَهُ»(مسند أحمد: ٤/ ١٥٤)

"جس نے (بیماری سے تحفظ کے لیے) کوئی تمیمہ (تعویذ، منکا وغیرہ) لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔ اور جس نے سیپ باندھی اللہ تعالیٰ اسے بھی آرام اور

کی رگ پھول جاتی ہے۔ اس تکلیف سے نجات کے لیے دم بھی کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کہنی اور کندھے کے درمیانی حصہ میں بعض اوقات تکلیف ہو جایا کرتی ہے۔ یہ تکلیف مردوں کو ہوتی ہے۔ عورتوں کو نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو وہ چھلا پہننے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ اس نے اس خیال سے پہنا تھا کہ وہ اسے مرض سے محفوظ رکھے گا۔ حالانکہ چھلے کا بیماری سے نجات سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔ مترجم)

"اِنْزِعْهَا" اسے اتار دو۔ یہ حکم تھا اور جس شخص کو کوئی حکم دیا جائے، اگر انسان جانتا ہو کہ وہ حکم کی اطاعت سے انکار نہیں کرے گا تو اسے ہاتھ سے منع کرنے کی بجائے زبان سے کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے۔

"فَاِنَّهَا لاَ تَزِيْدُكَ اِلاَّ وَهْنًا" "یہ تمہاری بیماری میں مزید اضافہ ہی کرے گا"۔

یعنی اگر تمہارے عقیدہ کے مطابق اس کی کوئی تاثیر ہے تو یہ نہ صرف تمہارے جسم کو نقصان پہنچائے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ تمہاری روح اور نفس کو بھی نقصان پہنچائے گا اور وہ یہ کہ تمہاری روح اور نفس کمزور ہو جائیں گے۔

مشرک کی عقل کام نہیں کرتی۔ وہ چھوٹے نقصان سے بچنے کی خاطر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو پہلے سے بھی بڑے نقصان پر منتج ہوتا ہے۔ مگر وہ عقل کی کمی کی وجہ سے نقصان کو نفع پر محمول کرتا رہتا ہے۔

"فَاِنَّكَ لَو مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا اَفْلَحْتَ اَبَدًا"۔ "اگر تمہیں یہ چھلا پہنے ہوئے موت آ گئی تو کبھی نجات نہ پا سکو گے"۔

اس نفی میں دو معنوں کا احتمال ہے۔ ایک تو یہ کہ ایسا کرنے والے کو شرک اکبر کا ارتکاب کرنے والے کی مانند کبھی جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات نہ مل سکے گی کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ چھلا بذات خود نفع بخش اور مفید ہے اور دوسرا معنی ہے کہ ایسا کرنے والے کو مکمل نجات نہ مل سکے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی یا قدرتی طور پر جس چیز کو شفا کا سبب قرار نہیں دیا اس نے اسی کو شفا دہندہ سمجھ لیا۔ اس لیے اس مفہوم کے لحاظ سے اس کا شرک، شرک اصغر ہو گا۔

سکون نہ دے۔"[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد: ٤/ ١٥٦)

"جس نے (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) تمیمہ (تعویذ، منکا وغیرہ) لٹکایا اس نے شرک کیا۔"

ابن ابی حاتم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا ہے:

«أَنَّهُ رَأَى رَجُلاً فِي يَدِهِ خَيْطٌ مِّنَ الْحُمَّى فَقَطَعَهُ»(ذكره ابن كثير في التفسير: ٤/ ٣٤٢)

"انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار سے تحفظ کے لیے دھاگا بندھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

[1] مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلاَ أَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ (جس نے تمیمہ لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے) "تَعَلَّقَ" کا معنی جہاں لٹکانے کا ہے وہاں اس کا معنی دلی لگاؤ اور قلبی میلان کا بھی ہے۔ گویا کوئی چیز (بیماری سے تحفظ کے لیے) لٹکانے والے کا دلی لگاؤ اور قلبی میلان اس کی طرف ہوتا ہے۔

"تمیمہ" ...... نظرِ بد سے تحفظ، نقصان سے بچاؤ اور کسی کے حسد سے حفاظت کی خاطر، منکے یا کوئی دوسری چیز جو گلے میں پہنی اور سینے پر لٹکائی جائے اسے "تمیمہ" کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والے پر نبی ﷺ نے بددعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔ تمیمہ کو تمیمہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے بارے میں انسان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میرا کام یہی (منکے وغیرہ) مکمل اور تمام کریں گے۔ تو آپ نے اسی بد اعتقادی کی بنا پر بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کا کام مکمل اور پورا ہی نہ کرے۔

"وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلاَ وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ" (اور جس نے سیپ (گلے میں) لٹکائی اللہ تعالیٰ اسے آرام اور سکون نہ دے)

"ودعة" سیپوں یا منکوں کی ایک قسم ہے جسے لوگ (گلے میں پہن کر) سینے پر رکھتے ہیں یا پھر نظرِ بد سے بچنے کے لیے بازو پر باندھتے ہیں۔ ایسا کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آرام و سکون اور راحت میں نہ رہنے دے۔ کیونکہ اس نے اللہ عزوجل کے ساتھ شرک کیا۔

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ ﴾ (یوسف١٢/١٠٦)

"اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں۔" [1]

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۷/۱۲۰۴۰)

مسائل

① (بیماری سے تحفظ کی نیت سے) چھلا پہننا اور دھاگہ وغیرہ باندھنا سخت منع ہے۔

② اگر صحابی بھی اس نیت سے کوئی چیز پہنے' باندھے یا لٹکائے اور اسی حال میں مرجائے تو وہ بھی کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ حدیث میں صحابہ کی اس ٹھوس بات کے لیے شاہد بھی موجود ہے کہ شرک اصغر' کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

③ جہالت کے سبب بھی ان اعمال کے مرتکب کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

④ یہ چیزیں دنیا میں بھی مفید نہیں بلکہ مضر ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا "یہ تیری بیماری کو مزید بڑھائے گا۔"

⑤ ایسی چیزیں استعمال کرنے والے کو سختی سے روکنا چاہیے۔

⑥ جو شخص' کوئی چیز باندھے یا لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] "مِنَ الْحُمّٰی" میں لفظ "مِنْ" تعلیل کا ہے۔ یعنی اس نے وہ دھاگہ بخار کو دور کرنے اور اس سے بچنے کے لیے باندھا تھا۔ "فَقَطَعَهُ" "تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا" اس سے ثابت ہوا کہ کسی بیماری سے تحفظ اور شفا کے لیے دھاگہ وغیرہ باندھنا ایسا کبیرہ گناہ ہے جس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا واجب اور اسے کاٹ ڈالنا ضروری ہے۔

نیز ثابت ہوا کہ جہنم سے نجات کے لیے صرف توحید ربوبیت پر ایمان رکھنا کہ ہمارا پروردگار' رازق' اور ہماری زندگی اور موت کا مالک اللہ ہے۔ یہی بات کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ توحید فی العبادت بھی نجات کے لیے شرط ہے۔ اس آیت میں شرک سے مراد شرک اکبر ہے۔ مصنف (امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) یہی بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کے بارے میں نازل شدہ آیات سے شرک اصغر بھی مراد لیا کرتے تھے۔

⑦ تمیمہ (تعویذ، منکا وغیرہ) لٹکانا بھی شرک ہے۔

⑧ بخار کی وجہ سے دھاگہ وغیرہ باندھنا بھی شرک ہے۔

⑨ حذیفہ رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر سورۂ یوسف کی آیت تلاوت کرنا یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کی آیات کو شرک اصغر کی تردید میں پیش کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

⑩ نظربد سے بچاؤ کے لیے سیپ باندھنا بھی شرک ہے۔

⑪ (بیماریوں سے تحفظ کے لیے) تمیمہ (تعویذ، منکا وغیرہ) لٹکانے والے اور سیپ وغیرہ باندھنے والے کے لیے بد دعا کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور اسے آرام نہ دے۔"

باب: ۷

دم اور تعویذات کا بیان [1]

---

[1] اس باب میں دم کرنے اور کروانے کا حکم بیان ہوا ہے۔ ایسے اذکار' دعائیں اور بابرکت الفاظ جنہیں پڑھ کر پھونک ماری جائے' انہیں دم کہتے ہیں۔

ان میں سے بعض کا اعضائے بدن پر اور بعض کا روحانی طور پر اثر ہوتا ہے۔ بعض ان میں سے شرعاً جائز ہیں اور بعض ناجائز' حرام بلکہ شرک ہیں۔ جن دموں میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں' شارع علیہ السلام نے ان کی اجازت دی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ بِالرُّقٰی مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا" "دم میں اگر شرکیہ کلمات نہ ہوں تو وہ جائز ہیں' ان میں کوئی حرج نہیں۔"

شرکیہ دم: وہ ہیں جن میں غیراللہ سے مدد مانگی جائے یا ان میں شیاطین کے نام آتے ہوں یا دم کرانے والا یہ عقیدہ رکھے کہ یہ کلمات ازخود مؤثر یا نفع بخش ہیں۔ ایسی صورت ہو تو یہ دم ناجائز اور شرکیہ ہو گا۔

اور تمیمہ یعنی تعویذات سے مراد' چمڑے کے ٹکڑے' منکے' لکھے ہوئے بعض الفاظ و کلمات یا مختلف شکلوں کی چیزیں مثلاً ریچھ یا ہرن کا سر' خچر کی گردن' سیاہ کپڑا' آنکھ کی شکل کی کوئی چیز یا منکوں کی مالا وغیرہ کوئی بھی چیز گلے میں ڈالنا' باندھنا اور لٹکانا ہے۔ یہ تمام اشیاء تمیمہ یعنی تعویذ کہلاتی ہیں۔

الغرض ہر وہ چیز جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ یہ خیر اور بھلائی کا سبب اور نقصان سے تحفظ اور اس کے دفعیہ کا باعث ہے' اسے تمیمہ (تعویذ) کہا جاتا ہے۔ اس چیز کی شرعاً اور تقدیراً بالکل اجازت نہیں دی گئی۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم ان چیزوں کو کسی امید یا لالچ کے نظریہ سے یا نقصان سے بچنے کی خاطر نہیں بلکہ محض گاڑی یا گھر کی زینت کے لیے لٹکاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ان اشیاء کو اگر کسی فائدہ کے لالچ یا نقصان سے بچنے کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ شرک اصغر ہو گا۔ تاہم چونکہ انہیں استعمال کرنے میں مشرکین کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے ان چیزوں کو محض زینت کے لیے لٹکانا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" "جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں شمار ہو گا۔"

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَأَرْسَلَ رَسُولاً أَنْ لاَ يُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلاَدَةٌ مِّنْ وَتَرٍ، أَوْ قِلاَدَةٌ إِلاَّ قُطِعَتْ»

(صحيح البخاري، الجهاد، باب ما قيل في الجرس ونحوه في أعناق الإبل، ح:٣٠٠٥ وصحيح مسلم، اللباس، باب كراهة قلادة الوتر في رقبة البعير، ح:٢١١٥)

"وہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں تھے کہ آپ نے ایک قاصد کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا ہار یا کوئی اور ہار نہ رہنے دیا جائے بلکہ اسے کاٹ دیا جائے۔" [1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ» (مسند أحمد:١/٣٨١ وسنن أبي داود، الطب، باب تعليق التمائم، ح:٣٨٨٣)

"بلاشبہ جھاڑ پھونک (دم)' تعویذ گنڈے اور باہمی عشق و محبت پیدا کرنے کے لیے تیار کی جانے والی چیزیں' یہ سب شرک ہیں۔" [2]

---

[1] اونٹوں کے گلوں سے قلادہ (ہار) کاٹنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ عرب سمجھتے تھے کہ یہ چیز اونٹوں اور بکریوں سے نظر بد کو دور کرتی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنا خلاف اسلام اور شرک ہے۔

(دور جاہلیت میں رسم تھی کہ کمان کی تانت پرانی ہو جاتی تو اسے تبدیل کر لیتے اور پرانی تانت کو چوپایوں کے گلے میں ڈال دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے جانور نظر بد سے محفوظ رہتا ہے (مترجم))۔

[2] اس حدیث میں یہ بات تاکید کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ بلاشبہ تمام کے تمام منتر اور دم' ہر قسم کے تعویذ گنڈے اور باہمی عشق و محبت پیدا کرنے کے لیے تیار کی جانے والی سب چیزیں' شرک ہیں۔ ان تمام (شرکیہ) چیزوں میں سے صرف اس دم کی رخصت اور اجازت ہے جس کی وضاحت اس فرمان رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔

«لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكًا»

(صحيح مسلم، السلام، باب لا بأس بالرقى مالم يكن فيه شرك، ح:٢٢٠٠ وسنن

اس حدیث میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ "التَّمَائِم' الرُّقٰی' التِّوَلة"

"اَلتَّمَائِم": سے مراد ہر وہ چیز ہے جو بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں یا جسم کے کسی اور حصے پر لٹکائی یا باندھی جاتی ہے۔ (یہ شرک ہے) لیکن جب وہ چیز قرآنی آیات پر مشتمل ہو (یعنی قرآنی تعویذ ہو) تو بعض صحابہ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے ناجائز۔ انھی (ناجائز قرار دینے والوں) میں سے ایک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں [1]

◄ أبي داود، الطب، باب في الرقى، ح:٣٨٨٦)

"جس دم میں شرکیہ کلمات شامل نہ ہوں اس میں کوئی حرج نہیں یعنی ایسا دم جائز ہے۔"

اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دم کیا اور کروایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام کے تمام دم شرک نہیں بلکہ بعض قسم کے دم شرک ہیں اور وہ وہی ہیں جن میں شرکیہ کلمات شامل ہوں۔

باقی رہے "تمائم" یعنی تعویذ گنڈے۔ تو ان کے بارے میں کچھ تخصیص نہیں کہ ان کے جائز ہونے کی بھی کوئی صورت ہو۔ لہٰذا تعویذ گنڈوں کی تمام قسمیں شرک ہیں۔

"تِوَلَة" کی وضاحت' شیخ (محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ) نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ یہ وہ چیز ہے جسے مشرکین ایک خاص عمل سے تیار کرتے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

یہ جادو کی ایک قسم ہے۔ عام لوگ اسے صَرف اور عطف' یعنی دل کو پھیر دینے اور نرم کر دینے کا ذریعہ قرار دیا کرتے تھے۔

درحقیقت یہ تعویذ گنڈوں ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ اسے ایک خاص عمل سے تیار کیا جاتا اور جادوگر ہی شرکیہ کلمات کے ذریعہ اسے دم کرتا اور اپنے زعم باطل میں اسے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب بتاتا۔ اس (جادو کے عمل کی) بناء پر یہ جادو کی قسم بھی ہوئی۔ اور جادو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر ہے۔

[1] جو بھی چیز' نظر بد دور کرنے' نقصان سے بچاؤ یا جان کی بہتری و بھلائی کے لیے لٹکائی یا باندھی جائے' خواہ اس کی شکل و صورت کسی بھی قسم کی ہو' وہ "تمائم" میں شامل ہے۔ کسی چیز پر قرآنی آیات لکھ کر اسے لٹکانے یا باندھنے کو بعض صحابہ نے جائز قرار دیا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں اگرچہ "تمائم" کو شرک کہا گیا ہے لیکن جب کوئی آدمی قرآنی آیات لٹکالے یا باندھ لے تو وہ شرک کا ◄

"اَلرُّقٰی" سے مراد وہ اعمال ہیں جنہیں منتر' جھاڑ پھونک اور دم کہا جاتا ہے (یہ بھی شرک ہے) لیکن شرعی دلیل نے وضاحت کردی کہ جس دم میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں وہ جائز ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نظربد اور زہریلے جانور کے ڈسنے پر دم کی رخصت اور اجازت فرمائی ہے۔

"اَلتِّوَلَة" سے مراد وہ چیز ہے جسے مشرکین اس نظریے اور اعتقاد سے بناتے اور تیار کرتے تھے کہ یہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا محبوب بنانے کا ذریعہ اور سبب ہے۔

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ»(مسند أحمد: ٤/ ٣١٠، ٣١١ وجامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في كراهية التعليق، ح: ٢٠٧٢)

"جو شخص کوئی چیز (گلے وغیرہ میں) لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کردیا جاتا ہے۔"(1)

مرتکب نہیں ہوگا' کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت' کلام اللہ کا کچھ حصہ لٹکایا ہے اور اپنے نقصان کو دور کرنے کے لیے کسی مخلوق کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا۔

(1) اس حدیث میں لفظ "شَيْئًا" جملہ شرطیہ میں نکرہ استعمال ہوا ہے جس میں تمام اشیاء شامل ہیں۔ یعنی جو بھی شخص' کوئی بھی چیز لٹکائے گا وہ اسی کے حوالے کردیا جائے گا۔ اس دلیل میں چونکہ عموم ہے اور کسی چیز کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا تو جو شخص اس عموم سے' لٹکانے کی کسی چیز کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کرے' اس کی دلیل اسی پر پڑے گی اور اس کی بات رد کردی جائے گی۔

جب کسی بندے کو غیراللہ کے سپرد کردیا جائے تو خسارہ اور نقصان اسے ہر جانب سے گھیر لیتا ہے۔ انسان کی عزت و فلاح' کامیابی اور اس کے ارادہ و عمل کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے اعمال و اقوال میں اور نقصان کو دور کرنے کے سلسلہ میں اپنا تعلق اور توجہ محض ایک اللہ کی جانب رکھے۔ اس کا انس' سرور اور اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو' اپنے معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کرے' توکل اور بھروسہ ہو تو اللہ ہی پر۔ اب جو شخص اپنے معاملات اللہ کے سپرد کردے اور مخلوق کو اپنے دل سے نکال باہر کرے تو پھر خواہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس کے ساتھ مکرو فریب اور اس کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے کیونکہ اس نے بھروسہ اس پر کیا اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کیا ہے جو بہت ہی عظمت و شان کا مالک ہے۔

رویفع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«يَا رُوَيْفِعُ! لَعَلَّ الْحَيَاةَ تَطُولُ بِكَ، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِّنْهُ» (مسند أحمد: ١٠٨/٤، ١٠٩ وسنن أبي داود، الطهارة، باب ما ينهى عنه أن يستنجى به ح: ٣٦)

"اے رویفع! شاید تم دیر تک زندہ رہو۔ تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے ڈاڑھی کو گرہ لگائی یا (جانور کے) گلے میں تانت ڈالی یا جانور کے گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجا کیا تو بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بری اور بے زار ہے۔"[1]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

«مَنْ قَطَعَ تَمِيْمَةً مِّنْ إِنْسَانٍ كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ»(المصنف لابن أبي شيبة، ح: ٣٥٢٤)

"جس شخص نے کسی کی گردن سے تمیمہ (تعویذ) کاٹ پھینکا، اسے ایک گردن (غلام) آزاد کرنے کے برابر ثواب ہو گا۔"[2]

---

[1] "تَقَلَّدَ وَتَرًا"۔ تَقَلَّدَ کے ساتھ "وَتَرًا" کا لفظ بولنے سے ایک خاص مفہوم مراد ہے۔ وہ یہ کہ گلے میں پہنی اور ڈالی جانے والی کوئی چیز بذات خود ممنوع نہیں ہے، بلکہ ممنوع اس صورت میں ہے جب اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ نظر بد سے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ تانت وغیرہ کے بارے میں یہی اعتقاد ہوتا تھا۔

"فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيْءٌ مِنْهُ" "بلاشبہ محمد اس سے بے زار ہے۔" یہ ایسا جملہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ افعال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی بہت بڑی نافرمانی ہے۔ نیز جس طرح شرک اکبر کبیرہ گناہوں میں سے ہے ایسے ہی شرک اصغر بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔

[2] اس میں تمائم (تعویذات) کو کاٹ پھینکنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے کیونکہ انہیں لٹکانا یا باندھنا اللہ کے ساتھ شرک (اصغر) ہے اور شرک اصغر کے بارے میں وعید یہ ہے کہ یہ موجب جہنم ہے۔

جب کسی نے کسی کی گردن سے تمیمہ (تعویذ) کاٹ پھینکا تو گویا اس کی گردن کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا کیونکہ وہ اس فعل شنیع کی وجہ سے جہنم کی آگ کا مستحق ہو رہا تھا۔ جب اس نے تمیمہ کاٹ کر اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کر دیا تو اسے بھی اسی طرح کی جزا ملے گی۔ اس کی گردن بھی جہنم کی آگ سے آزاد کر دی جائے گی۔

اور وکیع رحمۃ اللہ علیہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

«كَانُوا يَكْرَهُونَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقُرْآنِ»(المصنف لأبن أبي شيبة، ح:۳۵۱۸)

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد، قرآنی اور غیر قرآنی ہر قسم کے تمائم (تعویذات) کو ناپسند سمجھتے تھے۔"

مسائل

① اس تفصیل سے دم اور تعویذات کی وضاحت ہوئی۔
② "تِوَلَه" کا مفہوم بھی واضح ہوا۔
③ غیر شرعی دم، تمیمہ اور تولہ تینوں شرک ہیں۔
④ نظر بد اور زہریلے کیڑوں کے کاٹے کا غیر شرکیہ دم ممنوع نہیں۔
⑤ قرآنی تعویذات کے بارے میں اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔ بعض نے انہیں جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔
⑥ نظر بد سے تحفظ کی خاطر جانوروں کے گلے میں تانت باندھنا شرک ہے۔
⑦ تانت باندھنے والے پر شدید وعید وارد ہوئی ہے۔
⑧ کسی کے گلے میں باندھے ہوئے تعویذ کو کاٹ پھینکنے کا ثواب اور اس کی فضیلت بھی عیاں ہو رہی ہے۔
⑨ ابراھیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اہل علم کے مذکورہ بالا اختلاف کے منافی نہیں، کیونکہ ان کے کلام سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب یعنی شاگرد مراد ہیں۔

باب : ۸

جو شخص کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھے ①

① ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مشرک ہے۔

تبرک کا معنیٰ' برکت حاصل کرنا ہے۔ یعنی خیر اور بھلائی کی کثرت اور اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی تمنا اور خواہش رکھنا۔ قرآن و سنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ برکت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی' کسی کو برکت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ تَبَارَكَ ٱلَّذِى نَزَّلَ ٱلْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِۦ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۱)

"بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا۔"

یعنی اس ذات کی خیر و بھلائی بہت عظیم' بہت زیادہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا اور فرمایا:

﴿ وَبَـٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰٓ إِسْحَـٰقَ ﴾ (الصافات ۳۷/ ۱۱۳)

"ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) پر برکتیں نازل کیں۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَجَعَلَنِى مُبَارَكًا ﴾ (مریم ۱۹/ ۳۱)

"(عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں کہا تھا) اور اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔"

تو برکت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں نے فلاں چیز میں برکت ڈالی یا میں تمہارے کام کو بابرکت بناؤں گا یا تمہارا آنا مبارک ہے۔ چونکہ خیر' اس کی کثرت اور اس کا لزوم اور دوام صرف اسی ذات کی طرف سے ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام تر معاملات کا اختیار ہے' اس لیے لفظ "برکت" کا محور و منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

کتاب و سنت کے دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے برکت سے نوازا ہے وہ یا تو کچھ مقامات یا اوقات ہیں یا افراد و شخصیات۔ ⬅

پہلی قسم: مقامات یا اوقات۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں کو بابرکت بنایا ہے جیسے بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کا آس پاس وغیرہ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جگہوں میں بہت زیادہ خیر اور بھلائی ہے جو ہمیشہ ان کے ساتھ منسلک اور مربوط ہے اور یہ خیروبرکت ان میں اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ جن لوگوں کو ان کی زیارت کی دعوت دی گئی ہے ان میں یہ رغبت اور شوق پیدا ہو کہ وہ ہمیشہ اپنا تعلق اور دلی لگاؤ ان کے ساتھ رکھیں۔

ان جگہوں کے بابرکت ہونے کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ وہاں کی سرزمین یا دیواروں کو چھوا جائے کیونکہ یہ برکت ان کے ساتھ اس طرح سے لازم ہے کہ کسی دوسری چیز میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ یعنی زمین کو چھونے، وہاں دفن ہونے اور اسے متبرک سمجھنے سے اس کی برکت منتقل نہیں ہو جاتی۔

کسی جگہ کے بابرکت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کا دلی تعلق اس جگہ کے ساتھ ہو جیسے بیت اللہ الحرام ہے کہ اس کا قصد و ارادہ کرنے والا، وہاں جاکر اس کا طواف کرنے والا اور عبادت بجالانے والا بہت ہی خیر کا مستحق ٹھہرتا ہے، حتی کہ حجر اسود بھی ایک بابرکت پتھر ہے لیکن اس کی برکت بھی عبادت ہی کی بنا پر ہے۔ یعنی جو شخص نبی ﷺ کی اتباع و اطاعت کرتے ہوئے بطور عبادت اسے چھوئے اور بوسہ دے گا وہ اس اتباع کی برکت بھی پالے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لاَ تَنْفَعُ وَلاَ تَضُرُّ»(صحيح البخاري، الحج، باب ما ذكر في الحجر الأسود، ح:١٥٩٧ وسنن أبي داود، المناسك، باب في تقبيل الحجر، ح:١٨٧٣ واللفظ له)

"میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے، تو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ کوئی نقصان۔" یعنی کسی میں کوئی نفع منتقل کر سکتا ہے نہ کوئی ضرر دفع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

رہے اوقات! تو کسی وقت، ماہ رمضان یا اس کے علاوہ فضیلت کے حامل دیگر ایام کے بابرکت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں عبادت بجالانا اور بھلائی کا قصد کرنا جس قدر زیادتی اجر و ثواب کا باعث ہے، ان کے علاوہ دوسرے ایام میں اس قدر اجروثواب نہیں۔

دوسری قسم: جس برکت کا تعلق شخصیات کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کی ذات میں برکت رکھی تھی یعنی ان کے اجسام بابرکت تھے کہ ان کا کوئی امتی اگر ان کے اجسام کو ہاتھ لگا کر یا ان کا پسینہ حاصل کر کے یا ان کے بالوں سے برکت حاصل کرنا چاہتا تو یہ اس کے لیے جائز ہوتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں میں برکت رکھی تھی۔ اسی طرح سیدنا محمد ﷺ کا جسم اطہر بھی بے حد مبارک تھا۔

احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پسینے ' بالوں اور دیگر اشیاء سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ انبیاء و رسل کی برکت ذاتی ہوتی تھی۔ اس برکت اور فضل و خیر کا ان کے جسموں سے دوسروں تک منتقل ہونا ممکن تھا۔ اور یہ صرف انبیاء کا خاصہ تھا۔

رہے انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگ تو انبیاء کے امتیوں میں سے کسی کے بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ اس کی ذات بھی بابرکت ہو' حتیٰ کہ اس امت (محمدیہ علی صاحبها الصلاۃ والتسلیم) کی افضل ترین شخصیات' ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی تبرک لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ' تابعین اور مخضرمین (وہ لوگ جو عہد نبوی میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی) ' ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم سے اس طرح تبرک نہیں لیا کرتے تھے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں یا وضوء کے پانی سے تبرک لیتے تھے۔ ان بزرگ شخصیات کی برکت تو محض ان کے اعمال کی برکت ہوتی تھی نہ کہ ذات کی' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی برکت کی طرح ان کی برکت بھی دوسروں تک منتقل ہو سکے۔

لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر مسلمان میں برکت ہے اور یہ برکت اس کی ذات میں نہیں بلکہ اس کے عمل یعنی اسلام' ایمان' اللہ پر یقین اور دل میں اس کی عظمت و جلالت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت ہے اور یہ علم' عمل اور نیکی کی برکت دوسروں تک منتقل نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نیک لوگوں سے تبرک لینے کا مفہوم یہ ہے کہ نیکی میں ان کی اقتداء اور پیروی کی جائے اور اہل علم سے تبرک لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور ان کے علوم سے استفادہ کیا جائے۔ ان کے جسموں کو چھو کر یا ان کے لعاب سے تبرک لینے کا نظریہ و اعتقاد رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اس امت کے افضل ترین لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اپنے سے بہتر صحابہ' ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ کبھی اس قسم کا معاملہ نہیں کیا تھا۔

مشرکین' معبودان باطلہ سے تعلق قائم کر کے خیر اور بھلائی اور اس کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی امید سے تبرک لیتے تھے اور یہ تبرکات مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جو کہ سراسر شرکیہ ہیں۔

کوئی شخص' کسی درخت' پتھر' زمین کے قطعے' غار' قبر' پانی کے چشمے یا دیگر اشیاء کو' جن کے بارے میں جاہل لوگ غلط اعتقاد رکھتے ہیں' متبرک سمجھے وہ شرک ہے۔

یاد رہے! کسی درخت' پتھر' قبر یا کسی قطعہ زمین کو متبرک سمجھنا اس وقت شرک اکبر بن جاتا ہے جب کوئی آدمی ان کی برکت کے حصول کی امید میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس درخت' پتھر یا قبر وغیرہ کو جب وہ چھوئے گا' اس کی خاک میں لت پت ہو گا یا اس کے ساتھ چمٹے گا تو یہ اس کے لیے اللہ کے تقرب کا واسطہ اور ذریعہ ہو گا اور جب اس کے بارے میں یہ اعتقاد قائم کر لیا کہ یہ اللہ کے قرب کے حصول کا وسیلہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّـٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ ﴿٢٠﴾ ﴾ (النجم۵۳/ ۱۹۔۲۰)

''بھلا تم نے کبھی لات' عزیٰ اور تیسری گھٹیا و حقیر دیوی منات کے بارے میں بھی غور کیا ہے۔''[1]

اور واسطہ ہے تو یہ غیراللہ کو معبود بنالینے کے مترادف ہو گا جو کہ شرک اکبر ہے۔

اہل جاہلیت جن درختوں اور پتھروں کو پوجتے یا جن قبروں سے تبرک لیتے تھے ان کے بارے میں ان کا یہی زعم اور اعتقاد ہوتا تھا کہ جب وہ ان کے پاس مجاور بن کر ٹھہریں گے' ان کو چھوئیں گے یا اپنے اوپر قبر کی مٹی ڈالیں گے تو وہ چیز' قطعہ زمین یا اس قطعہ زمین والا یا اس کی خدمت گزار روح ان کے لیے اللہ کے تقرب کے حصول کا واسطہ اور ذریعہ ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ ﴾ (الزمر۳۹/ ۳)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا غیروں کو اپنے مددگار بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب ترین کردیں۔''

اور تبرک' شرک اصغر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی آدمی قبر کی مٹی لے کر اپنے اوپر محض اس نظریے سے ڈالے کہ یہ مٹی بابرکت ہے یا اپنا جسم کسی چیز کے ساتھ اس لیے ملے کہ اس کے سبب سے میرا جسم بھی بابرکت ہو جائے گا تو یہ شرک اصغر ہے کیونکہ اس نے عبادت کا حقدار غیراللہ کو نہیں ٹھہرایا بلکہ اس نے ایک ایسی چیز کو (برکت کے حصول کا) سبب تصور کیا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

[1] لات: یہ سفید رنگ کا ایک پتھر تھا جو اہل طائف کا معبود تھا۔ اس پر ایک عمارت کھڑی کی گئی تھی۔ اور اس کے متعدد خدام (مجاور) بھی تھے۔ قبیلہ ثقیف مسلمان ہوا تو نبی کریم ﷺ نے اس بت کو توڑنے اور منہدم کرنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے جاکر اسے گرایا اور توڑ ڈالا۔

عزیٰ: یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک درخت تھا۔ بعد میں ببول کے تین درختوں کے اوپر ایک عمارت کھڑی کر دی گئی۔ اس کے بھی مجاور تھے۔ وہاں ایک کاہنہ عورت تھی جو اس شرک کا اہتمام کیا کرتی تھی۔ جب مکہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ادھر روانہ فرمایا انہوں نے جاکر تینوں درخت کاٹ ڈالے۔ اور اس کاہنہ عورت کو جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جنات کو حاضر کیا کرتی تھی' قتل کر ڈالا۔ دراصل لوگوں کو اس درخت اور شرک کا اہتمام کرنے والی اس کاہن عورت کے ساتھ خصوصی

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف جا رہے تھے ابھی ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ (راستے میں) مشرکین کی ایک بیری تھی۔ وہ (عظمت اور برکت کے خیال سے) اس کے پاس آکر ٹھہرتے اور (برکت کے لیے) اپنے ہتھیار بھی اس پر لٹکایا کرتے تھے۔ اس کا نام "ذات انواط" تھا۔ چلتے چلتے ایک بیری کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! جیسے ان مشرکین کا "ذات انواط" ہے۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک "ذات انواط" مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! إِنَّهَا السُّنَنُ، قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى: ﴿ ٱجْعَل لَّنَآ إِلَـٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ ﴾ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم، ح: ٢١٨٠ ومسند أحمد: ٥/٢١٨)

"اللہ اکبر! یہی تو (گمراہی اور سابقہ قوموں کے) راستے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو وہی بات کی جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: (اے موسیٰ!) جیسے ان (بت پرستوں) کے معبود ہیں' آپ ہمارے لیے

◄ عقیدت و محبت تھی۔

مناۃ: یہ مشرکین کی ایک تیسری دیوی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے گھٹیا اور حقیر کہا ہے۔ اس کی تعظیم کے نظریہ سے لوگ اس کے قریب جانور ذبح کرتے اور اس پر خون بہایا کرتے تھے۔ وہاں جانور ذبح کیے جانے اور خون بہائے جانے کی وجہ سے اسے (عربی لغت کے لحاظ سے) "مناۃ" کہا جاتا تھا۔

آیت کی اس باب سے مناسبت: اس آیت کی اس باب سے وجہ مناسبت یہ ہے کہ لات اور منات دونوں پتھر تھے جبکہ "عزیٰ" ایک درخت تھا۔ ان پتھروں اور درختوں کے ساتھ اس زمانہ کے مشرکین وہی معاملہ کیا کرتے تھے جو بعد کے زمانوں کے مشرکین پتھروں' درختوں اور غاروں کے ساتھ روا رکھتے آ رہے ہیں جبکہ قبروں کو معبود بنا کر ان کے قریب عبادت کرنا اور انہیں اپنی توجہ و فریاد کا مرکز بنالینا تو اس سے بھی سنگین جرم ہے۔

بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔''[1]

---

[1] یہ حدیث سنداً صحیح اور عظیم الشان ہے۔ غور کیجئے! مشرکین کا اس بیری کے درخت کے بارے میں ایک خاص اعتقاد تھا اور اس اعتقاد میں تین چیزیں شامل تھیں۔

(الف) وہ اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

(ب) وہ تعظیم اور تقرب کی نیت سے اس کے پاس ٹھہرتے اور اعتکاف کرتے تھے۔

(ج) وہ اپنے ہتھیار اس پر اس نیت سے لٹکاتے تھے کہ اس درخت کی برکت ان ہتھیاروں میں منتقل ہوگی جس سے یہ تیز تر اور استعمال کرنے والے کے لیے بہتر ثابت ہوں گے۔ ان کے اعتقاد میں بیک وقت ان تینوں چیزوں کے شامل ہونے کی وجہ ہی سے ان کا یہ فعل، شرک اکبر تھا۔

صحابہ میں سے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! جیسے ان مشرکین کا ذات انواط ہے آپ ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمادیں۔'' ان کا گمان تھا کہ یہ عمل شرک میں داخل نہیں ہے اور کلمہ توحید ''لا الہ الا اللہ'' سے اس فعل کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لیے علماء کا کہنا ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے فضلاء سے بھی شرک کی بعض صورتیں مخفی رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ جو کہ لغت عرب سے خوب واقف تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے ان سے بھی توحید فی العبادت کی یہ قسم مخفی رہی۔ ان نو مسلم صحابہ کے اس مطالبے پر رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''اللہ اکبر! یہی تو گمراہی کے راستے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ: (اے موسیٰ!) جیسے ان کے معبود ہیں آپ ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔''

آپ نے بطور تنبیہ ان کے اس مطالبے کو قوم موسیٰ (بنی اسرائیل) کے اس مطالبے کے ساتھ تشبیہ دی جو انہوں نے بت پرستوں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا کہ ان کے معبودوں کی طرح ہمارا بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔

(نو مسلم) صحابہ کا جو مطالبہ تھا ان کا عمل اس کے مطابق نہ تھا اور جب نبی ﷺ نے ان کو روکا تو وہ رک گئے اور اگر وہ یہ عمل کر بیٹھتے تو یہ شرک اکبر ہوتا۔ لیکن جب انہوں نے محض زبانی طور پر مطالبہ پیش کیا تھا اور عمل نہیں کیا تھا تو ان کا یہ قول شرک اصغر کے زمرہ سے ہوا کیونکہ یہ مطالبہ میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق و ربط کا اظہار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں از سر نو اسلام قبول کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس شرک اکبر میں مشرکین مبتلا تھے وہ ذات انواط سے محض ⬅

⟵ تبرک لینے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس کی تعظیم کرنا، وہاں قیام و اعتکاف کرنا اور ہتھیار لٹکا کر برکت کے حصول کا نظریہ رکھنا بھی اس میں شامل تھا۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جب کسی درخت یا پتھر وغیرہ سے تبرک لینے میں یہ اعتقاد شامل ہو کہ یہ چیز اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ اور اس کے سامنے حاجات پیش کرنے کا وسیلہ ہے اور اس سے تبرک لینے کی بنا پر حاجت پوری ہونے کی امید زیادہ قوی اور کام کا انجام بہتر ہو گا، تو یہ شرک اکبر ہے اور زمانہ جاہلیت (اسلام سے پہلے) کے لوگ بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔

موجودہ زمانہ میں قبروں کے پجاری اور اہل بدعت و خرافات کے اعمال و کردار پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کفار و مشرکین لات، عزیٰ اور ذات انواط کے ساتھ جو معاملہ کرتے اور ان کے بارے میں جیسا عقیدہ رکھتے تھے، آج کے مشرکین قبروں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے اور ویسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ آج کل دنیا میں جن جن مقامات پر شرک ہو رہا ہے، آپ دیکھیں گے کہ لوگ قبر کے اردگرد چار دیواری اور لوہے کے جنگلوں کو بھی اسی طرح بابرکت سمجھتے ہیں بلکہ وہ چار دیواری اور جنگلے کو چھوتے ہوئے یہی تصور کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے خود صاحب قبر ہی کو چھو لیا اور ہاتھ لگا لیا ہے۔ ان اشیاء کی تعظیم کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ گویا اس طرح انہوں نے صاحب قبر ہی کی تعظیم کی ہے۔ ایسا کرنا بہت بڑا شرک ہے کیونکہ حصول نفع اور ضرر کے دفعیہ کے لیے ان کا دل غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان غیروں کی تعظیم کرنے سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا۔ حالانکہ مشرکین بھی تو ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی بات بیان کی ہے وہ کہا کرتے تھے "مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُونَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى" (الزمر ۳۹/۳)

"ہم ان (غیر اللہ) کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب تر پہنچا دیں۔"

آج کل کے بعض مشرک، بعض جگہوں کو ہاتھ لگانے یا مس کرنے کو بھی قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں مثلاً بعض لوگ حرم میں آ کر حرم کے بیرونی دروازوں، دیواروں یا بعض ستونوں کو ہاتھ لگاتے اور چومتے ہیں۔ اگر ان کا عقیدہ یہ ہو کہ اس ستون میں کوئی روح ہے یا اس کے قریب کوئی ہستی مدفون ہے یا کوئی اچھی روح ان دروازوں، دیواروں یا ستونوں کی خدمت کرتی ہے اس لیے وہ انہیں چھوتے ہیں تو ان کا یہ عمل "شرک اکبر" یعنی بہت بڑا شرک ہے۔ اور اگر ان کا عقیدہ ہو کہ یہ جگہ بڑی بابرکت اور مقدس ہے اور اسے چھونا یا ہاتھ لگانا مفید ہو سکتا ہے تب یہ عمل شرک اصغر ہے۔

مسائل

① "سورۃ النجم" کی آیت ۱۹۔ ۲۰ کی تفسیر ہے۔
② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے "ذات انواط" مقرر کرنے کے مطالبہ کی صحیح توجیہہ بھی معلوم ہوئی کہ وہ صرف تبرک کی خاطر "ذات انواط" مقرر کرانا چاہتے تھے ان کا مقصود اسے معبود بنانا نہ تھا۔
③ واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اس خواہش کا محض اظہار ہی کیا تھا۔ اسے عملی جامہ نہیں پہنایا تھا۔
④ اور اس سے ان کا مقصود قرب الٰہی کا حصول ہی تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے۔ مگر حقیقت میں ان کی یہ بات درست نہ تھی۔
⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی عظیم ہستیوں پر شرک کی یہ قسم مخفی رہی تو عام لوگوں کا اس سے ناواقف یا نابلد (ناآشنا) رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔
⑥ (اعمال صالحہ کے بدلے میں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو نیکیوں اور بخشش کے وعدے کیے گئے ہیں وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکتے۔
⑦ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو معذور نہ جانا بلکہ آپ نے ان کی تردید کرتے ہوئے معاملے کی سنگینی ان تین جملوں میں بیان کی۔ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ! اِنَّهَا السُّنَنُ۔ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" "اللہ سب سے بڑا ہے۔ یہی تو گمراہی کے راستے ہیں۔ تم پہلی امتوں کے طریقوں پر چلو گے۔"
⑧ سب سے اہم بات جو اصل مقصود ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ فرمانا کہ "تمہارا مطالبہ اور تمہاری فرمائش بھی بنی اسرائیل جیسی ہے۔" انہوں نے کہا تھا کہ "اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر جس طرح ان کے معبود ہیں۔" تو تم نے بھی ویسا مطالبہ کر دیا۔
⑨ اس قسم کے مقامات کو متبرک اور مقدس نہ سمجھنا بھی توحید اور کلمۂ توحید کا تقاضا

ہے۔ یہ ایک انتہائی دقیق اور پوشیدہ بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کا ادراک نہ کر سکے۔

(۱۰) فتویٰ دیتے ہوئے فتویٰ پر قسم اٹھانا جائز ہے جبکہ بلا مقصد اور بلا مصلحت قسم اٹھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی۔

(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذات انواط کے مطالبہ کے باوجود انہیں مرتد نہیں سمجھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ (تبرک) میں شرک بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔

(۱۲) ابو واقد رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "اس وقت ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مسئلہ کا علم تھا کہ ایسا کرنا درست نہیں۔

(۱۳) اظہار تعجب کے موقع پر "اللہ اکبر" کہنا جائز ہے۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

(۱۴) شرک و بدعت کے تمام اسباب و ذرائع کا سدباب کرنا ضروری ہے۔

(۱۵) اہل جاہلیت سے مشابہت کرنا جائز نہیں۔

(۱۶) دوران تعلیم و تدریس کسی شاگرد کی غلطی پر ناراضی کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِنَّهَا السُّنَنُ" فرما کر عمومی اصول بیان فرما دیا۔

(۱۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "تم لوگ پہلی امتوں (یہود و نصاریٰ) کے طریقوں پر چلو گے۔" یہ حدیث آپ کی علامات نبوت میں سے ہے کیونکہ آج کل بعینہ ایسا ہو رہا ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن کاموں اور باتوں پر یہود و نصاری کی مذمت فرمائی ہے وہ دراصل ہمیں تنبیہ ہے تاکہ ہم ان کاموں سے بچ کر رہیں۔

(۲۰) اہل علم کے ہاں یہ اصول طے ہے کہ عبادات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر پر ہے۔ اپنی مرضی یا خواہش سے کوئی عبادت مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اس سے قبر کے سوالات پر تنبیہ ہے کہ قبر میں پہلا سوال یہ ہو گا کہ "تیرا رب کون ہے؟" یہ تو واضح ہے البتہ دوسرا سوال "تیرا نبی کون ہے؟" اس کا تعلق امور غیبیہ سے ہے

اور تیسرا سوال کہ "تیرا دین کیا ہے؟" اس پر آیت "اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا" دلالت کرتی ہے۔

(۲۱) اہل کتاب کے طور طریقے بھی اسی طرح مذموم ہیں جیسے مشرکین کا مذہب اور ان کے طور اطوار مذموم ہیں۔

(۲۲) جو شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہو اس کے دل میں دورِ کفر و شرک کی عادات و اطوار کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں۔ جیسا کہ پیش نظر واقعہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس قول سے واضح ہے کہ ہمارا زمانہ کفر ابھی نیا نیا گزرا تھا یعنی ہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

باب : ۹

غیراللہ کے لیے جانور ذبح کرنا

(۱) غیراللہ کے لیے ذبح کرنے کی شدید وعید ہے اور وہ یہ کہ یہ اللہ عزوجل کے ساتھ شرک ہے۔
ذبح سے مراد خون بہانا ہے۔

ذبح میں دو چیزیں اہم ہوتی ہیں: (۱) کسی کا نام لے کر ذبح کرنا۔ (۲) کسی کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنا۔ پہلی صورت میں اصل چیز نام ہے اور دوسری صورت میں قصد و ارادہ۔

دراصل جانور ذبح کرتے وقت جس کا نام لیا جائے اس سے استعانت اور مدد مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً اگر آپ "باسم اللہ" کہیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اللہ کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے اور اسے متبرک سمجھتے ہوئے ذبح کرتا ہوں۔ رہی بات قصد و ارادہ کی تو یہ عبودیت اور بندگی کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ نام اور قصد و ارادہ کے لحاظ سے ہمارے سامنے چار صورتیں آتی ہیں:

(۱) اللہ کا نام لے کر اسی کے تقرب کے قصد سے ذبح کرنا۔ یہ سراسر توحید اور عبادت ہے۔ اس صورت میں ذبح کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اللہ کے تقرب کے ارادے سے ذبح کرے، دوسری یہ کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ جیسے قربانی، ہدی، اور عقیقہ وغیرہ۔ اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں بیک وقت تب ہیں جب ذبح سے اللہ کا تقرب مقصود ہو۔ اور اگر اللہ کے تقرب کے لیے نہیں بلکہ مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے یا اپنے کھانے کے لیے ذبح کرے تو یہ جائز ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے کیونکہ اس نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے، غیراللہ کا نام نہیں لیا۔ یہ وعید میں داخل ہوگا نہ ممانعت میں۔

(۲) ذبح تو اللہ کا نام لے کر کیا جائے لیکن مقصود اس سے غیراللہ کا تقرب ہو۔ مثلاً ذبح کے وقت یہ کہے "باسم اللہ" میں اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں اور اس ذبح سے اس کی نیت، کسی مدفون (دفن شدہ) نبی یا کسی بزرگ کا تقرب ہو۔

بعض دیہاتی یا شہری لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی کی آمد پر اس کی تعظیم کے لیے، زیبائش و خوش نمائی یا جانوروں کو ذبح کرکے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اس ذبح میں اگرچہ اللہ کا نام لیا جاتا ہے ⟵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

لیکن چونکہ اس سے مقصود غیراللہ کو راضی کرنا ہوتا ہے اس لیے علماء نے اس فعل کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ چونکہ اس میں غیراللہ کے لیے خون بہایا جاتا ہے اس لیے اسے کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ جب اس صورت میں کسی کی تعظیم کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا جائز نہیں تو پھر کسی فوت شدہ (نبی یا بزرگ) کی تعظیم (یا تقرب) کے لیے ذبح کرنا اور خون بہانا تو بالاولیٰ ناجائز اور حرام ہوا کیونکہ خون بہا کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنا جائز ہے۔ جب رگوں میں خون اسی نے جاری کیا ہے تو پھر تعظیم و عبادت کا حقدار بھی وہی ہے۔

(۳) ذبح غیراللہ کا نام لے کر کیا جائے اور اس سے مقصود بھی غیراللہ کا تقرب ہی ہو۔ مثلاً "باسم المسیح" کہہ کر ذبح کرے اور تقرب بھی مسیح ہی کا مقصود ہو۔ یہ بہت بڑا شرک ہے۔ شرک فی الاستعانت بھی اور شرک فی العبادت بھی۔

اسی طرح بدوی، حسین، زینب، عیدروس، مرغینانی یا ان کے علاوہ وہ شخصیات جن سے لوگ عبادت اور رجاوالا معاملہ رکھتے ہیں ان کے نام لے کر ذبح کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نام لے کر ذبح کرتے وقت لوگوں کی نیت اور ارادہ ان کا تقرب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دو طرح سے شرک بن جاتا ہے۔ ایک تو استعانت اور مدد کے حصول کی وجہ سے اور دوسرا عبودیت، تعظیم اور غیراللہ کے لیے خون بہانے کی وجہ سے۔

(۴) ذبح غیراللہ کا نام لے کر کیا جائے اور اس سے مقصود اللہ کا تقرب ہو، اور یہ بہت قلیل اور نادر ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذبح تو کسی بزرگ کے لیے کیا جاتا ہے مگر نیت یہ ہوتی ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے تو یہ بھی درحقیقت شرک فی الاستعانت اور شرک فی العبادت ہی میں شامل ہے۔

الغرض غیراللہ کے تقرب کے لیے ذبح کرنا عبودیت میں شرک ہے اور غیراللہ کا نام لے کر ذبح کرنا استعانت اور مدد کے لیے طلب میں شرک ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جن جانوروں (کے ذبح) پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، ان میں سے کچھ نہ کھاؤ، اور بلاشبہ یہ فسق اور ناجائز ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑیں اور اگر تم نے ان کی بات مان لی تو بلاشبہ تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔"

''کہہ دیجیے! بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت' اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس کا سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ ⁽¹⁾

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ ۝٢ ﴾ (الكوثر ١٠٨/ ٢)

''پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی دو۔'' ⁽²⁾

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

① ''جو شخص غیراللہ کے لیے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

② جو شخص اپنے والدین پر لعنت کرے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

③ جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

⁽¹⁾ اس آیت سے ثابت ہوا کہ نماز اور قربانی دونوں عبادتیں ہیں کیونکہ قربانی کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور مخلوق کے اعمال میں سے صرف عبادات ہی اللہ کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ اسی لیے ''صَلَاتِی'' کے بعد ''وَنُسُکِی'' فرمایا کہ قربانی (خون بہانا اور ذبح کرنا) بھی دیگر عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے اور اس کا مستحق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ''لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' میں لفظ ''اللہ'' پر موجود لام استحقاق کا معنی دے رہا ہے یعنی نماز' قربانی اور دیگر عبادت کا حق اللہ رب العالمین ہی رکھتا ہے۔

''لَا شَرِیْکَ لَهٗ'' نماز میں اس کا کوئی شریک ہے نہ قربانی میں۔ لہٰذا ان کی ادائیگی میں نہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کو ان کا سزاوار ٹھہرایا جائے۔ عبادت کا مستحق وہی رب ہے جو عظیم بادشاہت کا مالک ہے۔

⁽²⁾ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے وہ عبادت ہی ہیں۔ کیونکہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال و اقوال جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں ان سب کو عبادت ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح نماز اور قربانی کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ اعمال اسے محبوب اور پسند ہیں۔ اس لیے یہ بھی عبادت ہیں۔

④ اور جو شخص حدود زمین کے نشانات کو بدلے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔“ [1]

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَخَلَ الْجَنَّةَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ، وَدَخَلَ النَّارَ رَجُلٌ فِي ذُبَابٍ، قَالُوا: وَكَيْفَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰى قَوْمٍ لَّهُمْ صَنَمٌ لاَ يَجُوزُهُ أَحَدٌ حَتّٰى يُقَرِّبَ لَهُ شَيْئًا، فَقَالُوا لأَحَدِهِمَا قَرِّبْ، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي شَيْءٌ أُقَرِّبُ، قَالُوا لَهُ: قَرِّبْ، وَلَوْ ذُبَابًا، فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلَّوْا سَبِيلَهُ، فَدَخَلَ النَّارَ، وَقَالُوا لِلآخَرِ: قَرِّبْ، فَقَالَ: مَا كُنْتُ لأُقَرِّبَ لأَحَدٍ شَيْئًا دُونَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، فَضَرَبُوا عُنُقَهُ، فَدَخَلَ الْجَنَّةَ»(أخرجه أحمد في كتاب الزهد وأبونعيم في الحلية: ١/ ٢٠٣ كلاهما موقوفًا على سلمان الفارسي)

”ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور ایک شخص ایک مکھی ہی کی وجہ سے جہنم میں جا پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: ”دو آدمیوں کا ایک قوم پر گزر ہوا۔ جس کا ایک بت تھا وہ کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ان لوگوں نے ان میں سے ایک سے کہا: چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس نے کہا: میرے پاس چڑھاوے کے لیے کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا: تمہیں یہ کام ضرور کرنا ہو گا۔ خواہ ایک مکھی ہی چڑھاؤ۔ اس نے ایک

---

[1] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت سے مراد اس کی رحمت سے دوری اور محرومی ہے۔ پس جس شخص پر خود اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ اسے اپنی خاص رحمت سے دور اور محروم کر دیتا ہے۔

جبکہ اس کی عام رحمت مسلمانوں، کافروں اور تمام مخلوقات کے شامل حال ہے۔ یاد رہے کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے چونکہ غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کی خاطر ذبح کرنا شرک ہے اس لیے اس کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالیٰ کی لعنت، پھٹکار، اور اس کی رحمت سے دوری اور محرومی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

مکھی کا چڑھاوا چڑھا دیا۔ ان لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور اسے آگے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اس مکھی کے سبب جہنم میں جا پہنچا۔ انہوں نے دوسرے سے کہا: تم بھی کوئی چڑھاوا چڑھاؤ تو اس نے کہا: میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے واسطے کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور وہ سیدھا جنت میں جا پہنچا۔"①

مسائل

① آیت "قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ" کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

② آیت "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" کی تفسیر بھی معلوم ہوتی ہے۔

③ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے غیراللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر

---

① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بت کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا اس شخص کے لیے دخول جہنم کا سبب بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کرنے والا آدمی مسلمان تھا جو اپنے اس شرکیہ فعل کی پاداش میں جہنم رسید ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیراللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا اور چڑھاوے چڑھانا "شرک اکبر" ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ غیراللہ کے تقرب کے لیے مکھی جیسی بے قدر وقیمت چیز کا چڑھاوا چڑھانا جب اس آدمی کے لیے جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنا تو جو چیز منفعت میں اس سے بڑی اور قیمتی ہو اس کا چڑھاوا چڑھانا اسی قدر دخول جہنم کا بڑا سبب ہو گا۔

"قَرِّبْ" چڑھاوا چڑھاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کے لوگوں نے ان راہ گیروں کو اس عمل کے لیے (محض کہا تھا) مجبور نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان ہے کہ وہ کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اس میں کوئی جبر یا اکراہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ آدمی چاہتا تو واپس آ کر کسی دوسرے راستہ سے چلا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ ان لوگوں نے چڑھاوا نہ چڑھانے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی تھی اس لیے وہ اس عمل پر مجبور تھا جبکہ جبر و اکراہ کی صورت میں کسی عمل پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ ہم سے پہلی امتوں کا ہے۔ اکراہ و اجبار کی صورت میں اطمینان قلب کے ساتھ بظاہر کلمۂ کفر ادا کرنے یا کفریہ کام کرنے کی اجازت اور اس کے عدم مؤاخذہ کا مسئلہ صرف اسی امت کی خصوصیت ہے۔ سابقہ امتوں میں اس کی اجازت نہ تھی۔

لعنت فرمائی ہے۔

④ حدیث میں ہے کہ ''اپنے والدین پر لعنت کرنے والا لعنتی ہے۔'' اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ اگر تم کسی کے والدین پر لعنت کرو گے تو وہ تمہارے والدین پر لعنت کرے گا۔ اس طرح تم خود اپنے والدین پر لعنت کا سبب بنو گے۔

⑤ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے' وہ ملعون ہے۔'' اس حدیث میں بدعتی سے مراد ایسا شخص ہے جس پر بدعت کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا واجب ہو اور وہ اس سے بچنے کے لیے کسی کی پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔

⑥ ''جو شخص حدود زمین کے نشانات و علامات کو آگے پیچھے کر کے بدل ڈالے' وہ بھی لعنتی ہے۔'' اس سے ایسے نشانات مراد ہیں جو زمین کے دو مالکوں کی حدود ملکیت کو متعین کرتے ہوں اور ان نشانات کو بدلنے سے پڑوسیوں کا حق مارنا مقصود ہو۔

⑦ کسی متعین شخص پر اور عمومی طور پر گناہ گار لوگوں پر کسی کا نام لیے بغیر لعنت کرنے میں فرق ہے۔

⑧ ایک مکھی کا چڑھاوا چڑھانے کے سبب ایک آدمی کے جہنم میں جانے کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے۔

⑨ مکھی کا چڑھاوا چڑھانے والا جہنم رسید ہوا حالانکہ اس کا مقصد شرک کرنا قطعاً نہ تھا بلکہ اس نے محض اپنی جان بچانے کی خاطر ایسا کیا تھا۔

⑩ اہل ایمان کی نظر میں شرک اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس مومن نے قتل ہونا گوارا کر لیا' لیکن اہل صنم کا مطالبہ پورا نہ کیا' حالانکہ انہوں نے اس سے صرف ظاہری طور پر عمل کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

⑪ شرک کا ارتکاب کر کے جہنم میں جانے والا شخص مسلمان تھا۔ اگر وہ کافر ہوتا تو آپ یوں نہ فرماتے کہ ''وہ ایک مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا۔''

⑫ اس حدیث سے ایک دوسری صحیح حدیث کی تائید بھی ہوتی ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ»(صحيح البخاری، الرقاق، باب الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله والنار مثل ذلك، ح:٦٤٨٨)

''جنت اور جہنم تم میں سے ہر ایک کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

⑭ بت پرستوں سمیت ہر ایک کے نزدیک قلبی عمل سب سے زیادہ اہم اور مقصود اعظم ہوتا ہے۔